نمل

(نمرہ احمد)

قسط نمبر 27:

''میں جنین ہوں اور میں عام ہوں!''

میرے اور تمہارے اندھیروں میں جانتے ہو کیا فرق ہے؟
میں اپنی برائی کا سامنا کر کے اس کو قبول کر سکتی ہوں
جبکہ تم اپنا آئینہ سفید چادر سے ڈھکنے میں مصروف ہو!
میرے اور تمہارے گناہوں میں فرق یہ ہے کہ
جب میں گناہ کرتی ہوں تو جانتی ہوں کہ یہ گناہ ہے
جبکہ تم اپنے من گھڑت سرابوں کا شکار ہو چکے ہو۔
میں ایک جل پری ہوں۔
میں جانتی ہوں کہ میں سمندر کی لہروں پہ رقص کرتے
کتنی حسین دکھتی ہوں۔
مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اسی سمندر کی تہہ میں'
میں ہڈیاں اور گوشت چیر پھاڑ کے کھا سکتی ہوں۔
تم ایک جادوگر ہو۔ ایک شعبدہ باز۔
تمہارے منتر تمہاری ہیر پھیر کی باتیں ہیں
جہنم کے ابلتے کڑاہوں جیسی باتیں!
پھر بھی تم اپنے گرد سفید چادر لپیٹے پھرتے ہو۔
پھر بھی تم انصاف کی سفید وگ لگائے گھومتے ہو!

(سی جوائے بیل سی)

ہاشم کاردار قدم بقدم کمرہ عدالت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ہر شے سست روی سے ہوتی دکھائی دے رہی تھی' جیسے کوئی گونگی سلوموشن فلم پردے پہ چل رہی ہو۔ آوازیں بند ہوں۔ بس لب ہلتے دکھائی دے رہے ہوں۔ ہاشم اجنبی گم صم نگاہوں سے سب کو دیکھتا اپنی کرسی پہ بیٹھا۔ کمر کرسی کی پشت سے لگائی۔ بائیں گھٹنے پہ دائیں ٹانگ دھری۔ وہ ابھی تک ذہنی طور پہ شل تھا۔ سُن تھا۔

اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے پس منظر میں کوئی اداس گیت گنگنا رہا ہو۔ اس گیت میں اعتبار ٹوٹنے کا کرب تھا۔ ارمانوں کا لہو تھا۔ جیسے کوئی اپنا ساتھ چھوڑ کے غیروں کی صف میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ انہی گم صم نگاہوں سے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھی آبدار کو دیکھے گیا۔ وہ وقت کاٹنے کو اپنے سیل فون کے ساتھ لگی تھی اور مسلسل جھنجلائی ہوئی تھی۔ وہ آن ہو کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ ارد گرد کاغذ کھڑکنے' سرگوشیوں' جج صاحب کی ہتھوڑی' ہر شے کی آوازیں یوں سنائی دیتی تھی گویا دور کسی گہری کھائی سے آ رہی ہو۔

اس کا دل ٹوٹا تھا اور ایسے لگتا تھا ابھی تک سینے سے خون رس رہا ہو۔

کٹہرے میں موجود میری اینجیو کے سامنے زمر کھڑی تھی۔ ہاشم نے بدقت توجہ ادھر مبذول کرنی چاہی۔ یہاں سے اسے سیاہ کوٹ والی زمر کی پشت پہ گھنگریالی پونی دکھائی دیتی تھی جو اس کے بولتے ہوئے بار بار چہرہ ہلانے کے باعث جھول رہی تھی۔ یا پھر چند قدم اوپر کھڑی سپاٹ چہرہ لئے میری دکھائی دیتی تھی۔ ان دونوں کے بیچ خلا تھا۔ ہاشم کا دماغ خلا میں اٹکنے لگا۔

"میری اینجیو آپ کتنے سال سے جواہرات کاردار کی ملازمہ ہیں؟" شل ہوتے ذہن سے اس نے زمر کو سپاٹ انداز میں پوچھتے سنا۔

"بارہ سال سے۔"

"آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟"

"فلپائن سے۔"

"کیا آپ کی ایجنسی' جس کے توسط سے آپ کاردار صاحب کے پاس آئی تھیں' آپ کو کسی دوسرے گھر میں کام کرنے کی اجازت دیتی ہے؟"

"نہیں۔ یہ قانوناً جرم ہے۔ ایک وقت میں ایک ہی گھر میں کام کر سکتی ہوں میں۔" وہ سپاٹ انداز میں سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔

"میری' کیا آپ اس نوجوان کو پہچانتی ہیں؟" زمر نے بازو لمبا کر کے ادھر بیٹھے سعدی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آج نیلی جینز پہ سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا' اور بھوری آنکھوں میں شدید چبھن لئے میری کو دیکھ رہا تھا۔ میری نے ایک سرسری سی نظر اس پہ ڈالی۔

"یہ سعدی یوسف ہے۔" چہرہ زمر کی طرف پھیر لیا۔

"آپ کی سعدی یوسف سے پہلی ملاقات کب ہوئی؟"

"آٹھ سال پہلے۔ یہ قصر آیا تھا اور میں نے اس کے آگے دروازہ کھولا تھا۔"

"اس کے بعد آپ کی کب کب ملاقات ہوتی تھی اس سے؟"

''جب بھی یہ قصر آتا۔ میں ہیڈ ہاؤس کیپر تھی تو ظاہر ہے ملاقات ہو جاتی تھی۔''

''کیا آپ دونوں کبھی ذاتی نوعیت کی گفتگو کرتے تھے؟''

میری نے لمحے بھر کا توقف کیا اور نیچے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ پھر نظریں زمر پہ جما دیں۔

''جی نہیں۔''

''یعنی آپ نے اپنے بیٹے کے کینسر اور علاج کے بارے میں سعدی یوسف سے کبھی گفتگو نہیں کی تھی؟''

''جی نہیں۔ میرا اس سے ایسا تعلق نہ تھا کہ اپنے ذاتی معاملات اس سے ڈسکس کرتی۔'' سعدی بس اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔ ملامت سے۔ افسوس سے۔

''او کے!'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میری اینجیو کیا یہ درست ہے کہ آپ نے مسز کاردار کا نیکلیس چرا لیا تھا جس کی بنا پہ انہوں نے آپ کو نوکری سے برخاست کر کے ڈی پورٹ کرنے کا حکم جاری کیا تھا؟''

''یہ غلط ہے۔ میں نے کبھی چوری نہیں کی' نہ مجھے نوکری سے نکالا گیا تھا۔''

''اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ ڈی پورٹ کرنے کی بجائے غیر قانونی طور پہ نوشیرواں کاردار نے آپ کو کولمبو بھجوا دیا تھا جہاں آٹھ ماہ تک آپ سعدی یوسف کی کیئر ٹیکر رہی تھیں؟''

''یہ غلط ہے۔ میں زندگی میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔ میرا پاسپورٹ اس بات کا ثبوت ہے۔'' وہ گردن اکڑا کے بولی تھی۔ بار بار وہ تائیدی نظروں سے ہاشم کو بھی دیکھتی تھی مگر وہ اس وقت غائب دماغی کے عالم میں بیٹھا تھا۔

''تو آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ کبھی کولمبو کے اس ہوٹل میں گئی ہی نہیں ہیں نہ اس کے تہہ خانے میں جہاں میرے موکل کو قید رکھا گیا تھا۔''

''جی ہاں۔ میں کبھی وہاں نہیں گئی۔''

''اور نہ ہی آپ سعدی یوسف کو حبسِ بے جا میں رکھنے کے بارے میں جانتی ہیں؟''

''جی نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔''

''تو پھر آپ 21 مئی سے 22 جنوری تک... ان آٹھ ماہ میں کہاں تھیں میری اینجیو؟''

''میں قصرِ کاردار میں ملازمت کر رہی تھی۔ اور میں آفس کی پارٹیز کی پلاننگ بھی کرتی تھی۔ سب نوکر گواہ ہیں کہ میں قصر میں تھی اس دورانیے میں۔''

زمر اپنی میز کی طرف آئی اور کاغذات کا ایک پلندہ اٹھا کر اور جج صاحب کے ساتھ کھڑے آدمی کو تھمایا جس نے اسے ڈیسک پہ لا رکھا۔ ''یہ قصرِ کاردار کی پچھلی آٹھ ماہ کی ان تمام پارٹیز کی تصاویری کہانی ہے جو مختلف فوٹوگرافرز نے کور کی تھیں۔ یہ ان فوٹوگرافرز کے میموری کارڈز کا ڈیٹا ہے۔ اور ان میں کسی ایک تصویر میں بھی میری اینجیو نظر نہیں آتیں۔ جبکہ یہ دوسری فائل۔'' اس نے اشارہ کیا۔ ''اس میں

سعدی کے اغوا سے ایک سال قبل کی پارٹیز کا ڈیٹا ہے اور ہر پارٹی میں میری پس منظر میں کہیں نہ کہیں نظر آ جاتی ہیں۔ میری انجیو' آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ ان آٹھ ماہ میں پاکستان میں ہی تھیں؟"

"آب جیکشن یور آنر!" ہاشم قدرے سرد روی سے کھڑا ہوا۔ "قانون کے مطابق برڈن آف پروف استغاثہ کے اوپر ہے۔"

(یعنی جو شخص الزام لگاتا ہے اسے ہی ثبوت ڈھونڈ کر لانے ہیں۔)

"یور آنر پھر میں کورٹ سے استدعا کروں گی کہ ہاشم کاردار کے گھر کے تمام سی سی ٹی وی ریکارڈ کو عدالت میں منگوایا جائے اور ہمیں تاریخوں کے ساتھ دکھایا جائے کہ میری انجیو اس وقت گھر میں تھی۔"

جج صاحب نے ہاشم کو دیکھا ہی تھا کہ وہ کھنکھار کے بولا۔ "یور آنر فروری میں ہمارے کنٹرول روم میں شارٹ سرکٹ کے باعث آگ لگی تھی۔ گھر کے ملازم اور میرے خاندان والے گواہ ہیں اس بات کے۔ ہمارا ڈی وی آر جل چکا ہے۔ اسی بات کا استغاثہ فائدہ اٹھا رہی ہیں۔"

"رئیلی ہاشم؟" زمر ابرو حیرت سے اٹھاتی اس کے قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ "آپ کی creativity اس سے زیادہ اچھا بہانہ ڈھونڈ سکتی تھی۔ اتنا پرانا حیلہ کیوں؟" ہاشم نے شانے اچکائے۔

"واقعی۔ میں زیادہ اچھا بہانہ کر سکتا تھا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اب سنبھل کے سرگوشی میں بولا تھا۔ زمر نے ستائش سے سر کو خم دیا اور واپس جج صاحب کی طرف آئی جو اس کے اعتراض پر رولنگ دے رہے تھے۔

"کیا آپ کبھی زرتاشہ عبید سے ملی ہیں؟" زمر نے واپس میری سے سوال پوچھا تو ہاشم نے چونک کے فوراً آبدار کی طرف دیکھا۔ آبی سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہاشم کو نظر انداز کر رہی تھی۔

میری نے جواب دینے میں چند لمحے لیے۔ "جی۔"

"ان کی بیماری کے دوران میں نے سنا ہے آپ نے ان کی بہت خدمت کی۔ بلکہ یہ تصویر بھی ہے ہمارے پاس جس میں آپ ان کو سہارا دیتی نظر آ رہی ہیں۔" زمر نے ایک تصویر کی کاپی اس کے سامنے لہرائی پھر جج صاحب کی میز پہ جا رکھی۔ میری نے ہاشم کو دیکھا۔ وہ آبی کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے ایک بات سمجھائیے میری انجیو۔ آپ کو یہاں آئے نو دس سال ہوئے ہیں۔ زرتاشہ عبید پچھلے دس سال میں ایک دفعہ بھی پاکستان نہیں آئی تھیں۔ وہ اپنے اسکینڈل کے بعد سے سری لنکا میں رہائش پذیر تھیں، وہیں مقیم رہیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ ان کی خدمت کے لئے اور ان پہ نظر رکھنے کے لئے ہارون عبید اور جواہرات کاردار نے آپ کو وہاں بھیجا تھا۔"

"میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"اپنے پاسپورٹ کے مطابق آپ کولمبو نہیں گئیں۔ لیکن یہ تصویر کولمبو میں لی گئی ہے اور آبدار عبید اس بات کی گواہ ہیں۔" اور اب تک

خاموشی سے ساری کارروائی دیکھتے فارس نے اچنبھے سے زمر کو دیکھا اور پھر مڑ کے آبی کو۔ آبی نے اس کے دیکھنے پہ مسکرا کر شانے اچکائے تھے۔

''اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے پاس کوئی دوسرا پاسپورٹ بھی ہے' جو آپ ملک سے باہر جانے کے لئے استعمال کرتی آئی ہیں' کیونکہ آپ کی ایجنسی کی طرف سے ایک مالک کے ہوتے ہوئے دوسرے کی خدمت کرنا غیر قانونی ہے۔ تو بتایئے عدالت کو میری اینجیو صاحبہ' کہ آپ کس پاسپورٹ پہ سری لنکا جاتی تھیں؟''

میری کا چہرہ پھیکا پڑ چکا تھا' وہ بار بار ہاشم کو دیکھتی تھی جو جواب اپنے سامنے رکھی فائلز کو دیکھ رہا تھا۔ بنا پلک جھپکے۔ زمر بھی انکھیوں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہوا تو میری ذرا کھنکھاری۔

''یہ تصویر پاکستان کی ہے۔ میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔''

''جب مس عبید عدالت میں اپنا بیان دیں گی تو آپ کا یہ بیان پرجری کے زمرے میں آئے گا۔ میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ وہ میری اینجیو کے پاسپورٹ پہ کوئی مہر نہ دیکھ کر یہ نہ سمجھے کہ سعدی یوسف جھوٹ بول رہا ہے۔ جیسے میری پہلے کولمبو جا چکی ہیں۔ یہ اس دفعہ بھی گئی تھیں۔ اور آٹھ ماہ ادھر رہی تھیں۔ یور آنر!'' وہ مڑی اور ہاشم کو مخاطب کر کے کہا' پھر سیدھی اپنی میز پہ آ گئی۔ ہاشم اٹھا نہیں' اس نے بیٹھے بیٹھے سوال کیا۔

''میری اینجیو... استغاثہ نے جو تصاویر عدالت کو دکھائی ہیں' پارٹیز والی... کیا ان پارٹیز کی ایونٹ پلاننگ آپ نے کی تھی؟''

''جی ہاں۔''

''اور ان پارٹیز کو ممکن بنانے کے لیے تقریباً کتنے ملازم کام کرتے تھے؟''

''ساٹھ سے زیادہ۔''

''اور کیا وہ ساٹھ کے ساٹھ ملازم ہمیشہ فوٹوگرافر کی کھینچی ان تصاویر میں نظر آتے ہیں؟''

''نہیں۔ مشکل سے پانچ دس نظر آتے ہیں۔ فوٹوگرافر کو ملازموں کی نہیں مہمانوں کی تصاویر کھینچنے کی ہدایت ہوتی ہے۔''

''اور ان ساٹھ میں سے کتنے لوگ صرف کچن میں کام کرتے ہیں اور پارٹی کی جگہ پہ نہیں آتے؟''

''تقریباً بیس' اکیس ملازم۔''

''اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ اپنے بیٹے کی بیماری کی وجہ سے آپ کچن اور اس کے ساتھ بنے اپنے کمرے میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگی تھیں؟ اور باہر کم ہی نکلتی تھیں؟''

''آبجیکشن یور آنر۔'' زمر بےزاری سے بولی۔ ''ہاشم کاردار لیڈنگ کوئسچن پوچھ رہے ہیں۔''

(گواہ کی کسی جواب کی طرف راہنمائی کرنا' سوال میں ہی جواب بتا دینا یا اس کے منہ میں الفاظ ڈالنا ''leading question''

پوچھنا کہلاتا ہے۔)

"یور آنر' یہ مسز زمر کا گواہ ہے۔ میں تو اس کو "کراس" کر رہا ہوں۔ میں لیڈنگ کوئسچن کر سکتا ہوں۔"

"اوور رولڈ۔ وہ کراس کے دوران لیڈنگ سوال پوچھ سکتے ہیں۔" جج صاحب نے اعتراض رد کیا تو زمر سر جھٹک کے رہ گئی۔ میری بولنے لگی۔

"جی میں زیادہ تر پیچھے کچن میں ہی رہتی تھی اور پارٹیز میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔"

"میری انجیو کیا یہ درست ہے کہ سونیا کاردار کی سالگرہ پہ یعنی سعدی کے اغوا سے چند دن قبل آپ کی سعدی سے ملاقات ہوئی تھی؟"

"جی۔ وہ پارٹی میں آیا تھا اور میں چونکہ کچن میں ہوتی تھی اور کچن گھر کی پچھلی طرف ہے تو میں نے اسے وہاں ٹہلتے دیکھا تھا۔ وہ کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔"

"اور کیا آپ بتائیں گی کہ وہ کیا بات کر رہا تھا؟" سعدی حیرت سے آگے کو ہوا۔ میری فرفر بولنے لگی۔

"وہ ایک نمبر دہرا رہا تھا اور وہ جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ جلد ہی چند ماہ کے لیے منظر عام سے غائب ہو جائے گا اور آرام سے جے کے فائیو facility پہ آ کر پوری لگن سے کام کرے گا اور اس نے پچھا یہ بھی کہا تھا کہ ڈیزائننگ مکمل ہو گئی ہے اب صرف ان کو اس میزائل کی میکنگ پہ کام کرنا ہے اور یہ بھی کہ وہ رقم کا انتظام کر رہا ہے۔" وہ بے چینی سے اٹھی۔

"یور آنر ہاشم کاردار کیس کو کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں۔ ان بے بنیاد باتوں کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟"

"نہیں جناب عالی۔ میں صرف وہ وجہ عدالت کے سامنے رکھ رہا ہوں جس کی بنیاد پہ سعدی یوسف نے میرے گھر سے نیکلیس چرایا اور چونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ میری اس کی باتیں سن چکی ہے اس لیے اس نے میری کو اس کیس میں گھسیٹنا چاہا اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ ایک بیمار بچے کی ماں ہے۔ اور عدالت کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جے کے فائیو شوال میں واقع ایک مسجد کے انڈر گراؤنڈ بنی ایک دہشت گردوں کی آماجگاہ ہے جہاں وہ اسلحہ تیار کرتے ہیں۔ دفاع آج بھی اپنی اس بات پہ قائم ہے یور آنر کہ سعدی یوسف نے صرف اپنی غیر قانونی سرگرمیوں پہ پردہ ڈالنے کے لیے اور لوگوں کی ہمدردی لے کر ایک اسٹار بن جانے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ اب سعدی ایک اسٹار ہے۔ اس کو بڑے بڑے فورمز پہ بلایا جاتا ہے جہاں جانے کے لیے پہلے اس کے پاس کوئی سیکیورٹی کلیئرنس نہیں تھی' مگر جس دن ایسے کسی حساس نوعیت کے فنکشن میں کوئی دھماکہ یا ٹارگٹ کلنگ ہو گی نا یور آنر اس دن دفاع کی ساری باتیں سچ ثابت ہو جائیں گی۔"

وہ اب گواہ کو واپس بھیج رہا تھا اور زمر اور سعدی ایک دوسرے کو اچنبھے سے دیکھ رہے تھے۔

پیچھے بیٹھا فارس نگاہیں آخر میں بیٹھے شخص پہ جمائے ہوئے تھا۔ وہ لیاقت علی خان کی سی عینک والا ادھیڑ عمر شخص زنانہ انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔

اب ایک دوسرے گواہ کو پیش کیا جا رہا تھا۔ ایسے میں فارس اٹھا اور موبائل پہ بٹن دباتا' سر جھکائے اس آدمی کے قریب آ بیٹھا۔ اس شخص نے محض ایک دفعہ فارس کو دیکھا' پھر سامنے دیکھنے لگا۔

زمر اس گواہ سے سوالات پوچھ رہی تھی جبکہ فارس جیب سے قلم کاغذ نکال رہا تھا۔ پھر وہ گھٹنے پہ کاغذ رکھے موبائل اسکرین سے چند نمبرز دیکھ کر اتارنے لگا۔ غیر آرام دہ سی پوزیشن میں رکھنے کے باعث یکایک قلم اس کی انگلیوں سے پھسلا اور اس شخص کے قدموں میں جا گرا۔

"اوہ ہو!" فارس جھنجلایا تھا۔ اس آدمی نے سرسری سی نظر اس پہ ڈالی' پھر جھکا اور قلم اٹھا کر فارس کی طرف بڑھایا۔

"جزاک اللہ خیراً کثیرا!" وہ مشکور سا قلم کو کنارے سے تھامتا اٹھ کھڑا ہوا' اور اپنی چیزیں سنبھالتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

باہر نکلتے ہی اس نے اور ایک پلاسٹک بیگ جیب سے نکال کر احتیاط سے قلم اس میں ڈال کر سیل کیا۔ پھر موبائل پہ میسج لکھا۔

"اس آدمی کے فنگر پرنٹس لے لیے ہیں' فیشل ریکوگنیشن سے کچھ نہیں ملا تو شاید فنگر پرنٹ سے مل جائے۔ میں کچھ دیر میں تمہاری طرف لا رہا ہوں یہ سب۔ مجھے پتہ کر کے دو کون ہے یہ۔" اپنے ایک پرانے کولیگ کو پیغام لکھ کر اس نے احتیاط سے قلم کا پیکٹ جیب میں ڈالا اور پھر مڑا ہی تھا کہ ٹھٹک گیا۔

آبدار اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ سرخ رومال سر پہ باندھے' اور اس سے نکلتے سیدھے سرخ بالوں کو چہرے کے ایک طرف ڈالے' بلی جیسی گہری آنکھیں اس پہ جمائے' وہ مسکرا رہی تھی۔

"آپ!" وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔

"میری اینجیو والی فوٹو میں نے صبح مسز زمر کو دی تھی۔" اس نے مسکرا کے اطلاع دی۔

"دیکھیں آبدار' اگر تو آپ...."

"میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔" وہ اتنی سادگی سے گویا ہوئی کہ فارس کے الفاظ لبوں پہ آ کر ٹوٹ گئے۔ وہ اس شے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ نا سمجھی سے اسے دیکھے گیا۔

"اس روز جو میں نے کیا وہ بہت غلط تھا۔ یا اس کا طریقہ غلط تھا۔" وہ ندامت سے کہہ رہی تھی۔ نظریں نہ جھکی تھیں نہ ہاتھ مل رہی تھی' بلکہ سینے پہ بازو لپیٹے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میں نے آپ کو یوں بلایا اور آپ کو مجھے avoid کرنے کے لئے حنین کو بھیجنا پڑا۔ آئی ایم سوری کہ میں نے اپنا اتنا غلط امپریشن دیا۔ آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے۔" اس نے افسوس سے "چچ" کیا تھا۔ "اصل میں میری زندگی میں' فارس' بہت لوگ نہیں ہیں۔ صرف بابا ہیں اور ان کے پاس میرے لئے وقت نہیں ہوتا تو میں دوسرے لوگوں سے خود کو زبردستی اٹیچ کرنے لگ جاتی ہوں۔ ذرا مجھ سے کوئی ہمدردی سے بات کرے تو میں اس کو اپنا گائیڈ' اپنا دوست مان لیتی ہوں۔ کتنی کوئی بےچاری ہوں نا میں۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔" وہ خفت سے بولا تھا۔ آبدار زخمی سا مسکرائی۔

''ایسی ہی بات ہے۔ مجھے اگر ثبوت دینا تھا تو مجھے بدلے میں آپ سے آپ کا وقت نہیں مانگنا چاہیے تھا۔ میں صرف اپنے بابا کے متعلق چند باتیں کرنا چاہتی تھی مگر میری اپروچ غلط تھی۔ اس لئے میں نے صبح جو ٹپ دی وہ ڈائریکٹ زمر کو دے دی' اور بدلے میں کسی چیز کی امید نہیں رکھی۔ آپ سے بھی معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ پلیز میرے امیچور رویے کے لئے مجھے معاف کردیجئے گا۔ آئندہ آپ کو میں کبھی تنگ نہیں کروں گی۔''

ماحول کا تناؤ دھیرے دھیرے فضا میں گھل کے ختم ہو گیا تھا۔ فارس کے تنے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اس نے رسان سے سر ہلا کر بس اتنا کہا۔ ''گڈ۔ اب آپ کو یوں سر راہ مجھ سے ملنا نہیں چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کو مجھ سے کسی بھی قسم کے تعلق کی وجہ سے نقصان پہنچے۔!'' وہ دامن بچانے والے انداز میں کہہ کر ایک طرف سے نکل گیا۔ قوی امید تھی کہ وہ پیچھے سے پکارے گی' کوئی نئی بات کرے گی' نیا موڑ دے گی' مگر اس نے نہیں پکارا۔ وہ راہداری میں آگے بڑھتا گیا۔ سماعت ختم ہو چکی تھی اور تمام افراد باہر آ رہے تھے۔

ہاشم بھی سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ فارس اس سے لاتعلق سا ساتھ سے گزرنے لگا تھا کہ جب ہاشم نے اس کے کندھے سے اپنا کندھا چھوا۔ فارس ٹھہر گیا۔

''یہ مت سمجھنا کہ مجھے خبر نہیں ہے یا یہ کہ میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ جو تم کر رہے ہونا اس کا حساب دو گے تم!'' اور ایک سرخ انگارہ سی نظر فارس پہ ڈالی۔

''اووو!'' فارس نے فکر مندی سے لب سکیڑے۔ ''میں ڈر گیا۔ دیکھو میرے ہاتھ بھی کانپ رہے ہیں۔'' ہاشم خاموشی سے آگے بڑھ گیا تو فارس نے سر جھٹکا اور موبائل نکالتے ہوئے قدم مخالف سمت بڑھا دیے۔

پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھتی آبدار مسکراتی ہوئی' سوچ میں گم چلتی جا رہی تھی جب پیچھے سے کسی نے اسے کہنی سے پکڑ کے موڑا۔ وہ جھٹکا کھا کے مڑی۔ سامنے جواہرات سرخ انگارہ آنکھوں کے ساتھ اسے گھور رہی تھی۔

''جو تم نے کیا ہے نا اس پہ تمہاری جان بھی لے سکتی ہوں۔'' وہ زخمی سا غرائی تھی۔ آبدار نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''بنومت۔ مجھے کہا کہ وہ ویڈیو ضائع کر دی اور خود ہاشم کو دے دی۔ مجھے میرے بیٹے سے دور کرنا چاہتی ہو؟''

''اوہ!'' آبدار نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''ہاشم نے دیکھ لی وہ؟ مگر میں نے اسے نہیں دی۔''

''سنو تم!'' وہ نفرت سے انگلی اٹھا کے پھنکاری تھی۔ جواہرات کے پیچھے آبی دیکھ سکتی تھی کہ دور راہداری کے دوسرے سرے پہ زمر سعدی حنین اور فارس' ندرت کے ساتھ کھڑے تھے۔ سب سے زیادہ نمایاں زمر نظر آ رہی تھی۔ اونچی گھنگریالی پونی کے باعث جو اس کا سر ہلانے سے جھولنے لگتی' وہ مسکرا کر فارس سے کچھ کہہ رہی تھی' کوئی جلا کٹا تبصرہ اور وہ بھی شاید جواب میں کوئی برابر کا جملہ کس رہا تھا اور حنین ہنس رہی تھی۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں تمہارے ساتھ وہ کروں گی اب کہ تم...."

"وہ ویڈیو ہاشم کو زمر نے دی ہے۔ میں نے نہیں۔" وہ تیزی سے بولی تھی۔ "میں نے تو اس کو ضائع کر دیا تھا مگر زمر اور اس کی وہ چھوٹی بھتیجی ان دونوں نے مجھے ڈنر پہ بلایا میرا ٹیب ہیک کیا ڈیٹا کاپی کیا اور چلتی بنیں۔ یہ میری کی تصویر بھی وہیں سے ملی ان کو۔ میں ان کی مجبر نہیں ہوں ان لوگوں نے مجھے استعمال کیا ہے۔"

جواہرات ٹھہری تھی مگر پھر نفرت میں ڈوبی بے یقین نظروں سے اسے دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے یقین نہیں ہے۔"

"تو ہاشم سے پوچھ لیں۔ میں نے اسے ایسا کچھ نہیں دیا۔ ان لوگوں نے ہی دیا ہوگا۔ جان لینی ہے تو شکار سامنے کھڑا ہے۔" وہ شانے اچکا کے اپنا بازو چھڑاتی واپس مڑ گئی۔ جواہرات غصے سے پھنکارتی کھڑی رہ گئی۔ ایک نظر مڑ کے اس دور نظر آتی خوش باش فیملی کو دیکھا اور پھر پیر پٹختی آگے بڑھ گئی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے حکم صادر کیا تھا۔ "کلب چلو۔" مگر چونک کے ڈرائیور کو دیکھا۔ پھر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے لحیم شحیم گارڈ کو۔

"بخت خان کہاں ہے؟ اور تم دونوں آفس سے یہاں کیوں آئے ہو؟"

ہٹے کٹے گارڈ نے رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ "ہم آپ کی نئی سیکیورٹی ٹیم کا حصہ ہیں۔ کاردار صاحب نے کہا ہے کہ آپ کی زندگی کو خطرہ ہے، ہمیں آپ کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ نکلو میری کار سے اور میری ذاتی ٹیم کو واپس بلاؤ۔" وہ تلملا کر بولی تھی۔

"ہمیں اس کا حکم نہیں ہے میم۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ رات آٹھ بجے سے پہلے ہمیں آپ کو گھر پہنچانا ہوگا۔ اس سے زیادہ باہر رہ کر خطرہ مول لینے کی اجازت سر نے ہمیں نہیں دی۔ چلو!" وہ ڈرائیور کو اشارہ کر کے بولا۔

جواہرات نے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھا۔ ایک دم اپنا آپ بے حد کمزور اور ناتواں لگنے لگا تھا۔ لمبی سی گاڑی کے سیاہ شیشے کسی قید خانے کی سلاخوں سے کم نہیں لگ رہے تھے۔ اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب کوئی چاند میرا ہے نہ ستارہ محسن

اب کہاں جاؤں گا میں درد کا مارا محسن

مورچال کی سبز بیلیں اس کھلتی ہوئی صبح میں فخر سے سارے گھر کو ڈھانکے، سورج کے سامنے تن کر جمی نظر آتی تھیں۔ اندر آملیٹ کی خوشبو، چائے اور کافی کی مہک کے ساتھ فضا میں رچی بسی محسوس ہوتی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل سے زمر اٹھ چکی تھی اور اب کورٹ کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ فارس کو جاب لیس ہونے کا طعنہ دینا اور نئی نوکری ڈھونڈنے کے لئے غیرت دلانا بے کار تھا۔ وہ ڈھٹائی سے ست انداز میں اپنی کافی پی رہا تھا جب سعدی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ سعدی تیار سا کھڑا تھا۔ "چلنا نہیں ہے؟"

''کار اسٹارٹ کرو' میں آرہا ہوں۔''

''ڈرائیور کب سے ہو گیا میں آپ کا؟'' وہ خفا سا کہتا جیسے ہی پلٹا' سامنے بیٹھی ندرت نے آنکھوں سے فارس کو اشارہ کیا۔ فارس نے جواباً سر کو خم دے کر تسلی دینے والا اشارہ کیا۔ چائے کے گھونٹ بھرتی حنین نے مشکوک نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ پھر سعدی کو پکارا۔ ''بھائی' امی اور ماموں آپ کے بارے میں اشاروں میں.... آؤچ۔'' ندرت نے ہلکی سی سہی مگر اس کی سر کی پشت پہ چپت لگائی تھی۔ سعدی اپنی ایڑھیوں پہ گھوما اور باری باری امی اور ماموں کو دیکھا۔

''امی اور ماموں کیا؟'' حنہ نے اپنے سر کو سہلاتے ہوئے فارس کو دیکھا جس نے اسے صرف گھورا تھا' پھر خفگی سے بولی۔ ''امی اور ماموں ہم سے بالکل پیار نہیں کرتے۔ مجھے یقین ہے انہوں نے مجھے کسی ہسپتال سے چرایا تھا۔ امی کسی زمانے میں وہ ڈراموں والی نرس ہوں گی' وہ جو لوگوں کے بچے ایکسچینج کرتی ہیں....'' وہ بولتی ہوئی کرسی سے اٹھی اور آگے بھاگ گئی۔

''بے غیرت' بدتمیز۔'' ندرت نے برے موڈ کے ساتھ جوتا اس سمت میں پھینکا جہاں وہ گئی تھی۔ حنہ اندر مڑ گئی۔ جوتا راہداری میں گر گیا۔ لمحے بھر بعد حنہ نے ستون کے پیچھے سے گردن نکالی۔ ''امی' آپ ہماری ون ڈے ٹیم میں کیوں نہیں چلی جاتیں؟ نشانہ آپ کا بالکل ان کے جیسا ہی ہے۔'' اور جھپاک سے اندر غائب ہو گئی۔

فارس اور سعدی نکل گئے تو امی حنہ کو دو ہزار صلواتیں سنا کر (دوسروں کی بیٹیاں دیکھی ہیں کتنی تمیز دار' سگھڑ' صوم وصلوۃ کی پابند ہوتی ہیں' منہ میں زبان نہیں ہوتی اور ایک یہ بے غیرت اولاد میرے ہی حصے میں آئی تھی۔) کچن میں جا چکی تھیں اور اب نشانہ حسینہ تھی۔

''ٹھیک سے گوندھو آٹا۔ اور یہ روز روز نیا سونے کا زیور چڑھا کے کام کرنے نہ آیا کرو۔ آیا وڈا تیرا میاں' اگر لے کر دیتا ہے تو یہاں سے جا کر پہنا کرو' شوخی نہ ہو تو۔'' یہ ندرت کی روٹین کی ٹون تھی اور اس پہ حسینہ نے دل ہی دل میں روٹین کے کئی کوسنے ان کی نذر کیے تھے' مگر بظاہر سر جھکائے آٹا گوندھتی رہی۔

ایسے میں حنہ دوبارہ لاؤنج میں آ گئی تھی اور اب دوپٹہ کس کے' بال باندھ کے' جوش سے کھڑی گردن اٹھائے چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا نے اخبار سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اب کیا ارادے ہیں تمہارے؟ پھر سے گھر کی صفائی؟''

''جتنی صفائی کرنی تھی کر لی۔ اب میں وہ کروں گی ابا جو آج کل کی نکمی' سست' اور لاپرواہ یعنی ''عام'' لڑکیاں بالکل نہیں کرتیں۔''

''اور وہ کیا ہے؟'' مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''میں عام لڑکی نہیں ہوں' یہ تو آپ جانتے ہیں۔ اس لیے میں اب DIY گرل بن رہی ہوں ابا۔ Do It Yourself۔ عام لڑکیوں کو پکی پکائی کھانے کی عادت ہوتی ہے۔ نکمی نہ ہوں تو! میرے جیسی ہر چیز خود کرتی ہیں۔ وہ گھر ڈیکوریٹ کرنے کے لئے انٹیریئر ڈیکوریٹر نہیں ہائر کرتیں' گھر پینٹ کرنے کے لئے مستری مزدور نہیں بلواتیں۔ دیواروں پہ فریمز ٹھونکنے کے لئے یا پردوں کی ریلنگ

لگانے کے لئے لمبے بھائیوں یا ملازموں کی منتیں نہیں کرتیں۔ مجھے کسی مستری مزدور ترکھان' پردوں والے' پینٹ والے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب یہ سارے کام خود کر سکتی ہوں۔ صرف چند دن کی محنت سے ابا ہم لڑکیاں اپنے گھروں کو اتنا خوبصورت' اور اتنا آرام دہ بنا سکتی ہیں جتنے امیر لوگوں کے اونچے اونچے قصر بھی نہیں ہوتے۔ میں سمجھتی تھی بڑے گھر خوبصورت ہوتے ہیں' مگر نہیں ابا۔ خوبصورت گھر ہی خوبصورت ہوتے ہیں' پھر وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ مگر یہ عام لڑکیاں ان کو نہیں خوبصورت بنا سکتیں۔ صرف میرے جیسی خاص لڑکیاں یہ کر سکتی ہیں۔'' وہ ایک عزم سے کہہ رہی تھی۔ ابا نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تمہارا مطلب ہے اب تم دیواروں پہ اوپر چڑھ کے خود کیل ٹھونکتی پھرو گی؟ ہرگز نہیں۔ ایسے تو چوٹ لگ جائے گی۔'' انہیں بات پسند نہیں آئی تھی۔

''دیکھا!'' حنین نے چٹکی بجائی۔ ''یہ آپ مرد ہی ہوتے ہیں جو ہم لڑکیوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا مطلب دس مردوں میں بیٹھ کے مردوں کی طرح قہقہے لگانا اور رات دیر دیر تک باہر گھومنا نہیں ہوتا۔ بلکہ مردوں کے جیسے کام خود کرنا ہوتا ہے۔ دوسروں کی محتاجی سے بچنا ہوتا ہے۔ آج سے میں ابا اپنے سارے گھر کو ری ماڈل کرنے جا رہی ہوں۔ اور مجھے کوئی نہیں روکے گا۔'' پھر چہرے کے گرد ہاتھوں کا پیالہ بنا کر آواز لگائی۔ ''ندرت بہن آپ بھی نہیں۔''

''ہاں ہاں تجھے میں کرنے دیتی ہوں اپنے گھر کا بیڑہ غرق!'' وہ جواباً وہیں سے غرائی تھیں۔ حنین نے افسوس سے ابا کو دیکھا۔

''چچ چچ۔ پتہ نہیں جب یہ نرس تھیں تو مجھ جیسے کتنے بچے اپنے اصلی ماں باپ سے جدا کیے تھے۔''

''بڑے موڈ میں ہو آج!'' زمر باہر آئی تو مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ کوٹ پہنے' بال بنائے' وہ کچہری کے لئے نکل رہی تھی۔ ہاتھ کی انگوٹھی اور ناک کی لونگ جگمگا رہی تھی۔ حنہ نے مسکرا کر شانے اچکائے۔

''میری زندگی کے سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں' اور اب میری زندگی میں مزید کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس لئے میں خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی ہوں۔'' اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور وہ کھلی کھلی تازہ دم لگ رہی تھی۔ کہہ کر وہ مڑ کے پھر سے دودیوار کو تکنے لگی اور چونکہ سوچ بھی رہی تھی تو عادتاً ناخن چبانے لگی۔

''خاص لڑکی' پہلے اپنی اس عادت کو تو بدلو۔'' زمر نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی تو وہ چونکی۔ جلدی سے ناخن دانتوں سے نکالے۔

''تمہیں اندازہ ہے تم بچے منہ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے کتنے برے لگتے ہو؟ اور ناخن چاہے کھا رہی ہو یا دانتوں سے کتر کے پھینک رہی ہو' یہ تمہارے جسم کا حصہ ہے اور اس کو یوں چیرنے کی اجازت اللہ نے تمہیں نہیں دی۔ سوال ہو گا اس کے بارے میں بھی۔ اپنی اس عادت کو تمہیں خود ختم کرنا ہو گا۔ کم از کم اتنی کمزور نہیں ہو تم کہ اپنے دانتوں سے ہار مان جاؤ۔ ناخن کترنے سے دماغ کمزور ہوتا جاتا ہے حنہ لیکن سب سے زیادہ ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں اللہ ہم ناخن کھانے والوں کو مردہ انسانوں کا گوشت کھانے والوں کے ساتھ ہی نہ کھڑا کر دے قیامت کے دن۔ کیونکہ بات تو ایک ہی ہے نا۔''

''اچھا اچھا۔نہیں کھاتی۔'' اس نے تو گھبرا کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ لیے تھے۔ ڈور بیل بجی تو زمر باہر کی طرف بڑھ گئی۔

''حنین!'' زمر واپس آئی تو اس کا چہرہ سنجیدہ سا تھا۔حنہ نے چونک کے اسے دیکھا۔''کون ہے؟''

''حنین میری بات غور سے سنو!'' وہ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔''اگر میں یہ نہ کرتی تو ہاشم کر دیتا اس لیے میں نے سوچا کہ میں ہی کر دوں۔''

''باہر کون ہے؟'' حنہ کا ماتھا ٹھنکا۔

''وہ جو بھی ہے اور اس کے پاس جو کچھ بھی ہے اگر تم چاہو تو ہم اس کو روک سکتے ہیں۔ تمہیں ملک سے باہر بھجوا دیں گے۔لیکن اگر تم اسے وصول کرنا چاہو تو....'' زمر کی آواز پسِ منظر میں چلی گئی۔حنین بالکل سُن سی کھڑی رہ گئی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ باہر کون تھا۔وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

''حنین... مجھے نہیں پتہ تھا وہ آج ہی آ جائے گا۔پہلے سوچ لو۔'' زمر فکرمندی سے کہہ رہی تھی مگر حنین کے کان' آنکھیں' سب بند ہو چکا تھا۔ وہ ہواؤں میں قدم رکھ رہی تھی' بادلوں پہ چل رہی تھی۔اس نے دروازہ کھولا۔پورچ خالی تھا۔وہ گیٹ تک آئی اور چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

سامنے کورٹ کا ملازم کھڑا تھا۔''حنین یوسف خان آپ ہیں؟'' اس نے نام پڑھ کر دہرایا

حنین نے بنا پلک جھپکے سر اثبات میں ہلایا۔اس کا بدن دھیرے دھیرے کانپنے لگا تھا۔ملازم نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

''You are being served.'' حنین نے کپکپاتے ہاتھوں سے کاغذ تھاما اور پھر قلم سے اس جگہ دستخط کرنے لگی جہاں وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کو اس درج کی گئی تاریخ پہ کورٹ میں پیش ہونا ہے۔آپ کو بطور گواہ طلب کیا گیا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا اور حنین اس کاغذ کو پڑھ رہی تھی۔اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

ماضی کو دفن کر کے شہد کی مکھی نے راستہ بھی بدل لیا تھا' رنگوں اور خوشبوؤں سے بھرے رس سے اپنی زندگی کو سجانے بھی لگی تھی' دل کو شفا بھی مل رہی تھی' لیکن آج معلوم ہوا تھا کہ.... ہاشم اور حنین کی کہانی ابھی باقی تھی۔

دھوپ میں کھڑی لڑکی نے حکم نامہ پکڑے ہوئے' آنکھیں کرب سے بند کر لیں۔آخر کب ختم ہو گی ان بے لذت غلطیوں کی داستان؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سنا ہے شہر میں زخمی دلوں کا میلہ ہے

چلیں ہم بھی مگر پیرہن رفو کر کے

گالف کلب کے سرسبز میدان دور تک پھیلے نظر آتے تھے۔اندرونی سٹنگ ایریا میں رکھی کرسیوں پہ بیٹھی خواتین بے فکری سے باتیں کرتی نظر آ رہی تھیں۔ان میں سے ایک جواہرات کا ردار بھی تھی جو بظاہر مسکراتی مسلسل بولتی خاتون کو سن رہی تھی اور اضطراب سے گلے کا لاکٹ

انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔قریب میں دو مستعد گارڈز ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

"ویسے جواہرات یہ تمہاری عمر نہیں تھی ریٹائرمنٹ کی۔اب تو تم کسی ایگزیکٹو گیدرنگ میں نظر تک نہیں آتیں۔" ایک بھورے سنہری بالوں والی عورت شکوہ کر رہی تھی۔

"اور یہ Paranoia!" دوسری نے ناک سکوڑ کر گارڈز کی طرف اشارہ کیا۔"تمہیں ہر وقت ان کی موجودگی سے الجھن نہیں ہوتی؟"

"جتنا اعلیٰ خاندان اتنے ہی سیکیورٹی تھریٹ!" جواہرات نے بظاہر بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"ہاں مگر لوکیشن کو گارڈ کرنا زیادہ بہتر ہے پرسن کو گارڈ کرنے سے۔ان کو سارا ایریا کور کرنا چاہیے' نہ کہ تمہارے سر پہ کھڑے ہو کے ہماری باتیں سننی چاہئیں۔" ایک ذرا ہنس کر طنزاً بولی۔جواہرات نے بہت سے کڑوے گھونٹ مسکرا کر اندر اتارے۔

"ان کو ہوشیار رہنا پڑتا ہے عائلہ' کہ کہیں کوئی فرسٹریٹیڈ سوشلائیٹ اپنے botox gone wrong کا غصہ میرے کھانے میں زہر ملا کے نہ اتارے' یا کوئی..." دوسری خاتون کا چہرہ دیکھا۔"زیادہ فرسٹریٹیڈ aging عورت اپنے شوہر کے اس کی فنانشل ایڈوائزر سے چلتے افیئر سے تنگ آ کر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔Paranoia؟ اونہوں۔سیکیورٹی تھریٹ!" مسکرا کے اس نے گلاس اٹھایا اور چیئرز کے انداز میں اوپر لہرایا' مگر دونوں متعلقہ خواتین کے چہرے سیاہ پڑ چکے تھے' کوئی گلاس نہ ٹکرایا تو وہ مسکرا کے اپنے مشروب کے گھونٹ بھرنے لگی۔اس کا اندر ابھی تک جل رہا تھا۔

ان سے دور... قصرِ کاردار میں ہاشم اپنی اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔گھر کے کپڑوں میں ملبوس شرٹ کی آستین اوپر چڑھائے' وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔دو انگلیوں کے درمیان سگریٹ دبا تھا جسے وہ ہولے ہولے ایش ٹرے پہ جھٹک رہا تھا۔اس کی آنکھیں اداس تھیں اور جیسے دور کہیں قید ہو چکی تھیں۔چہرے پہ عجب مردنی چھائی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا اور رئیس اندر داخل ہوا۔دن کے باوجود اتنا اندھیرا تھا کہ اسے چند لمحے لگے ہاشم کو دیکھنے میں۔پھر وہ کھنکھارا۔"سر؟"

"اس کا موبائل واپس رکھ دیا؟" وہ بھاری کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا تھا۔اس کے چہرے کے سامنے دھوئیں کے مرغولے رقص کرتے اڑ رہے تھے۔

"جی سر!"

"کیا فارس غازی کا نام جنوری اور فروری میں سری لنکا کا سفر کرنے والوں کے نام میں شامل ہے؟"

"نہیں سر۔اس کی سفری دستاویزات کہیں بھی موجود نہیں۔"

"اس کا چہرہ تو ہے نا۔اس کی تصویر سے چیک کرو۔" وہ اب ایش ٹرے پہ سگریٹ جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"اس نے کہا تھا وہ کولمبو گیا تھا۔کولمبو جانے والے ہر پاکستانی کی سفری دستاویزات سے اس کا چہرہ میچ کرو۔ہمارے ائیرپورٹ سیکیورٹی فورس کے کانٹیکٹس تمہاری مدد کریں گے۔اگر اس کا چہرہ کہیں نظر آتا ہے تو دیکھنا...." اس نے سرخ پڑتی متورم سی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔"کہ اس کے ساتھ ہارون عبید کا

کوئی ملازم تو نہیں ہے؟ یا کوئی ایسا شخص جس کا تعلق ہارون یا آبدار سے ہو۔ مجھے ایک ایک بات معلوم کر کے دو' خاور!''

''ژیس' سر!'' اس نے دھیرے سے تصحیح کی۔ ہاشم نے نہیں سنا۔ وہ اب اسی منہمک انداز میں سگریٹ جھٹک رہا تھا۔ راکھ سی راکھ ایش ٹرے میں بھرتی جا رہی تھی یا شاید یہ اس کی سانسیں تھیں جو راکھ میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا' سمندر نکلا

فوڈی ایور آفٹر کی بالائی منزل کی شیشے کی دیوار سارے زمانے کی روشنی اندر لے آئی تھی۔ ہال کمرہ پورا منور سا تھا۔ ایک طرف ایک چینی نقوش کی حامل درمیانی عمر کی چینی عورت بیٹھی ایک کمپیوٹر اور ٹیبلیٹ سامنے رکھے کام کر رہی تھی۔ اس کے سر پہ کھڑا سعدی بار بار اس کو انگریزی میں لقمے دے رہا تھا۔

''نہیں' یوں نہیں۔ کمان کی طرح آئی برو زبناؤ۔ ہاں اس طرح۔ اور ناک ذرا....'' دفعتاً اس نے سر اٹھا کے سامنے کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھے فارس اور احمر کو دیکھا جو کافی پیتے نظر آ رہے تھے اور احمر کو مخاطب کیا۔

''اس کو اردو نہیں سمجھ آتی؟''

''بالکل بھی نہیں۔'' اس نے گویا تسلی کروائی۔ سعدی سر ہلا کے اس کی اسکرین کو دیکھنے لگا۔ وہ باوجود کوشش کے جاب پہ دوبارہ اپائنٹ نہیں کیا جا رہا تھا۔ دو دفعہ جوائننگ کروا کے اسے گھر واپس بھیج دیا گیا تھا۔ سرکاری رکاوٹوں کا بہانہ۔ ہونہہ۔

ادھر احمر سفید ٹی شرٹ پہنے' سر پہ الٹی پی کیپ رکھے عام دنوں سے مختلف لگ رہا تھا۔ فارس نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

''تمہاری مالکن تمہیں اس حلیے میں برداشت کر لیتی ہے؟''

''اور ان کو تمہیں یوں دیکھ کے قلق نہیں ہوتا؟'' مسکراہٹ دبائے کہتا سعدی فارس کے ساتھ کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ اب وہ دونوں ساتھ تھے' اور احمر ان کے مقابل۔ چینی عورت لاتعلق سی اپنا کام کر رہی تھی۔

''آہم!'' احمر کھنکھارا۔ مگ نیچے کیا۔ ''ہاشم صاحب نے مجھے....آ....میری خدمات کو سراہتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ میں ان کے لئے ظاہر ہے اتنا کام کر چکا ہوں تو اب مجھے اپنی فری لانس جابز دوبارہ سے کر لینی چاہیے ہیں تو انہوں نے مجھے....''

''فارغ کر دیا ہے' ہے نا؟'' فارس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اور تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے؟'' سعدی نے لقمہ دیا۔

''اور تمہیں ان تین کپڑوں میں سڑک پہ دھکیل دیا ہے؟'' فارس کہنے کے ساتھ ہنس دیا تھا۔ احمر نے سنجیدگی سے کہنا چاہا۔

"انہوں نے بہت سلیقے سے میرا استعفیٰ وصول کیا، میرے چیک کلیئر کیے اور...."

"اور پھر تمہیں باہر دھکیل دیا۔ ہاہاہا۔" وہ گردن پیچھے پھینک کے دل کھول کے ہنسا تھا۔ سعدی بھی مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگا۔

"ایکسکیوزمی، اتنا فنی کیا ہے اس میں؟" احمر دانت پہ دانت جمائے خفگی سے بولا تھا۔ فارس نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا، پھر سعدی کی طرف چہرہ موڑے کہنے لگا۔

"یار مجھے کوئی چند دن پہلے جاب لیس کہہ رہا تھا۔"

"اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ وہ کاردارز کے ساتھ کام کر کے بہت پیسہ بنا رہا ہے...." سعدی تیزی سے بولا۔

"اور یہ کہ ہم اس کی ترقی سے جل رہے ہیں...."

"اور میں نے سنا ہے وہ کاردارز کے لئے کیے گئے اپنے سارے کام حسنِ فائی بھی کر رہا تھا۔" سعدی اس کے فقرے مکمل کر رہا تھا۔

"اور میں نے اسے کہا کہ کاردارز کی نوکری چھوڑو کیونکہ یہ تمہیں اس طرح ایک دن بیچ دیں گے...."

"تو اس نے کہا کہ وہ خاور کی جگہ لے چکا ہے اور اپنی پیاری مالکن کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے۔"

"اور وہ بڑی ڈیزائنر شرٹس اور سلک ٹائی پہننے لگا تھا۔"

"جوتے بھی بڑے چمکدار ہوتے تھے ماموں، ہمیں تو اپنی شکلیں بھی ان میں صاف نظر آتی تھیں!"

"اور.... آہ.... آج وہ بھی جاب لیس ہے۔"

"بالکل ہماری طرح!" اور وہ دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے قہقہہ لگا کے ہنس پڑے تھے۔ اتنے عرصے بعد سعدی اتنا کھل کے ہنسا تھا۔

احمر نے یہ ساری بکواس بہت خاموشی سے سنی اور برداشت کی تھی۔ پھر بہت تحمل سے بولا۔ "تھینک یو ویری مچ غازی، بہت نوازش آپ کی۔ لیکن میں ان کی جاب ویسے ہی چھوڑ دیتا، میرا مقصد تو پورا ہو چکا تھا۔"

"یار سعدی وہ کیا چیز تھی کھٹی سی اس کہانی میں!" وہ تھوڑی کو ناخن سے رگڑتے مسکراہٹ دبائے سعدی سے پوچھنے لگا۔

"انگور، ماموں، انگور!" وہ اب آخری گھونٹ بھر رہا تھا۔

"ہاں صحیح۔ اچھا تم کیا کہہ رہے تھے؟" پھر احمر کی طرف متوجہ ہوا۔ (سعدی اب رخ پھیر کے بیٹھا چینی عورت کو دوبارہ سے ہدایات دینے لگا تھا۔)

"میں.... کہہ رہا تھا کہ...." دانت پہ دانت جمائے وہ برداشت سے بولا تھا۔ "کہ اس آدمی کا پتہ چلا؟ وہ چشمے والا؟"

"صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ وہ ایک گوسٹ (ghost) ہے۔" فارس سنجیدہ ہوا۔ احمر توجہ سے سننے لگا۔ "اس کی تصویر ریکارڈ میں نہیں ہے۔ اس کے فنگر پرنٹ ریکارڈ میں نہیں ہیں۔ وہ عدالت میں داخلے کے وقت جو آئی ڈی کارڈ دکھاتا ہے وہ بھی جعلی ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی آدمی ہے جس نے سعدی کا پاسپورٹ ہاشم کو دیا ہے۔ اور ہمارا میموری کارڈ بھی اس کے پاس ہے۔"

''کیا یہ ہاشم کے لیے کام کر رہا ہے۔'' سعدی نے گردن پھیر کے پوچھا تھا۔

''ہاشم اس کو نہیں جانتا۔'' احمر نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''اس کے کسی انداز سے شناسائی کی ذرا سی جھلک بھی نہیں دکھتی۔ یہ آدمی کوئی تیسرا فریق ہے۔''

''اور یہ تیسرا فریق ہاشم کی مدد کر رہا ہے' سعدی کو دہشت گرد ثابت کروانے کے لئے۔'' فارس سوچتے ہوئے بولا تھا۔ ''یہ یقیناً ہمارا کوئی دشمن ہے۔''

''میرا تو نہیں ہو سکتا۔ ہاں آپ کے کام ایسے ہوتے ہیں دشمنی والے۔'' سعدی نے شانے اچکا کے کہا تھا۔ فارس نے بس گھور کے اسے دیکھا۔

''وہ صحیح کہہ رہا ہے۔ یہ تمہارا کوئی جیل کا دشمن ہو سکتا ہے۔''

''میں کسی کا چہرہ نہیں بھولتا اور یہ آدمی جیل میں نہیں تھا میرے ساتھ۔''

''تو ہو سکتا ہے یہ کسی اور کے لئے کام کر رہا ہو' مگر زیادہ ضروری یہ ہے کہ تمہارے گھر میں اس کے لئے کون کام کر رہا ہے۔''

''ہمارے گھر میں ایسا کوئی نہیں ہے۔'' سعدی نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ فارس البتہ خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

''سعدی' میں تمہاری فیملی کی بات نہیں کر رہا۔ کوئی ملازم' کوئی ہمسائیہ' کوئی کالونی کی کسی شاپ والا' کوئی بھی ہو سکتا ہے یہ۔''

''ہو تو سکتا ہے۔'' فارس نے کہا تو سعدی نے قدرے برہمی سے اسے دیکھا۔

''ہمارے گھر میں کم از کم کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے دہشت گرد ثابت کروانے کی کوشش کرے۔ کوئی ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟ ریسٹورانٹ کے ملازم بھی بہت پرانے ہیں' گھر کے ملازموں کی تو بات ہی نہ کریں۔ ہم ان سب کو جانتے ہیں۔''

''جانتے تو ہم ہاشم کو بھی تھے۔'' وہ اداسی سے مسکرا کے بولا تھا۔ سعدی چپ ہو گیا۔

''ٹھیک ہے سعدی' ہم کسی کے بارے میں خواہ مخواہ غلط گمان نہیں کریں گے اب' مگر ہمیں اپنی آنکھیں اور کان اب کھلے رکھنے ہوں گے۔ اوکے! اور یہ مت بھولنا کہ ہم اس سچویشن میں اس لئے ہیں کیونکہ تم نے اپنا پاسپورٹ لاپرواہی سے پھینک دیا تھا۔'' وہ سمجھاتے ہوئے بولا تھا۔ سعدی خفیف تھا' سو گردن موڑ کے چینی عورت کا کام دیکھنے لگا۔

''فیس کٹ ذرا گول تھا۔ ہاں کچھ اسی طرح کا۔ نہیں تھوڑا کم کرو۔''

''تو پھر....'' فارس نے مسکراہٹ دبا کے احمر کو دیکھا۔ ''تم آج کل بے روزگار ہو اجنبی!''

''ہاں بالکل' سوچ رہا ہوں جیل چلا جاؤں' وہاں دو وقت کی روٹی تو مل ہی جاتی ہے۔'' وہ جل کے بولا تھا۔ فارس ہنس کے سر جھٹکتا اپنا موبائل نکال کے دیکھنے لگا۔ سعدی اب چینی عورت کو مزید ہدایات دے رہا تھا اور وہ اسی طرح اسکیچ بناتی جا رہی تھی۔

''سنیئے محترمہ!'' غازی مسکراہٹ دبائے سو موبائل پہ ٹائپ کرنے لگا۔ مخاطب زمر تھی۔ ''آج رات ڈنر پہ چلیں گی میرے ساتھ؟''

چند لمحوں میں جواب آیا تھا۔ ”آپ کون؟“

فارس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ”آپ کا نکما‘ بے روزگار‘ دو لوگوں کا قاتل ‘جیل پلٹ شوہر جس نے آپ کی دولت کے لئے آپ سے شادی کی تھی۔ آٹھ بجے کی بکنگ کروا دوں؟“

”بل کون دے گا؟“

”ظاہر ہے آپ... میں تو کماتا ہی نہیں ہوں۔“

”کروا دو۔ ہونہہ۔“ اور وہ اس کا چہرہ تصور کر سکتا تھا۔ سر جھٹک کر لکھتی۔ (ہونہہ)۔

”یہی ہے۔ بالکل یہی ہے۔“ سعدی اب اس عورت کے ساتھ جھک کے کمپیوٹر اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ بالآخر امید نظر آنے لگی تھی۔ چینی عورت نے اسکرین کا رخ ان دونوں کی طرف پھیرا تو وہ بھی غور سے دیکھنے لگا۔ وہاں ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کا چہرہ نظر آتا تھا۔ اسکن ٹون بھی مناسب حد تک بھری جا چکی تھی‘ اور وہ اسکیچ کسی اصلی تصویر کے قریب قریب ہی تھا۔

”تمہیں یقین ہے کہ اس کے نقوش ایسے ہی تھے؟“ فارس نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ سعدی نے پورے وثوق سے سر اثبات میں ہلایا۔

”اس کا نام ڈاکٹر مایا تھا‘ وہ روز میری پٹی کے لئے آتی تھی اور گڈ کاپس جیسی باتیں کرتی تھی۔ مجھے اس کی شکل یاد ہے۔ 90 فیصد یہی شکل تھی اس کی۔ اب کیا کرنا ہے ہمیں؟ اس اہم گواہ کو کیسے ڈھونڈنا ہے؟“

”اگر تو وہ پاکستانی ہوئی تو مل جائے گی۔“ احمر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

”وہ پاکستانی ہی تھی۔ جتنی اردو اس کی صاف تھی‘ اور جتنی جلدی وہ مجھے بات بات پہ antibiotic کے کورس پہ لگا دیتی تھی‘ وہ پاکستانی ڈاکٹر ہی تھی۔“ وہ بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔ ”اسے ہاشم یہاں سے لے کر گیا تھا۔ دوبارہ وہ نظر نہیں آئی۔ یقیناً واپس آ گئی ہو گی۔ لیکن تم اسے کیسے ڈھونڈو گے احمر؟“

”بالخصوص اب جب کہ تم جاب لیس ہو۔“ فارس نے دھیرے سے فقرہ مکمل کیا۔ احمر نے صرف ایک تند و تیز نظر اس پہ ڈالی اور پھر سعدی کو دیکھا۔

”یہ کم عمر لڑکی ہے۔ گریجویٹ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہو گا۔ پی ایم ڈی سی کے پچھلے دس سال کے ریکارڈ میں اسے ڈھونڈ لوں گا میں جب تم یہ رقم...“ ایک کاغذ پہ چند ہندسے لکھ کر اسے فارس کی طرف بڑھایا۔ ”میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا دو گے‘ دوسری صورت میں نہ تو تمہیں اس جیسی اسکیچ آرٹسٹ ملے گی اور نہ ہی یہ جو اسکیچ بنایا ہے اس کا ایک بھی پرنٹ آؤٹ ملے گا۔ جس کو بھی ہائر کرو گے وہ ہاشم کو بتا دے گا‘ سو اب فیصلہ کرنے کے لئے تمہارے پاس دس سیکنڈ ہیں اور وائر ٹرانسفر کے لئے ایک منٹ۔“ پھر گھڑی دیکھی۔ ”59 سیکنڈ.... 58

سیکنڈ۔"

"اچھا اچھا۔" فارس نے برا منہ بنا کے اسے دیکھا اور موبائل آن کرتے ہوئے اس کاغذ کو پکڑا۔ نقوش تن گئے تھے اور ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا موبائل پہ بٹن دبانے لگا۔ احمر نے ایک دوسرا کاغذ سعدی کی طرف بڑھایا۔

"میری کنسلٹنسی فیس جو آپ ادا کریں گے' کیونکہ آن لائن بینکنگ تو آپ کی بھی ایکٹو ہے۔" جب سعدی اسے گھورتا رہا تو اس نے زور دے کر کہا۔ "مطلب میں اس اسکیچ کو ڈیلیٹ کروا دوں؟" سعدی نے چٹ جھپٹی اور اسے گھورتے ہوئے موبائل نکالا۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد احمر کے موبائل پہ یکے بعد دیگرے دو نوٹیفیکیشن موصول ہوئے۔

"اب بے فکر ہو جاؤ۔ میں اس لڑکی کو ڈھونڈ لوں گا۔" اس نے چینی عورت کو چلنے کا اشارہ کیا تو وہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھی اور باہر نکل گئی۔ وہ دونوں اسی طرح تند ہی سے اسے گھور رہے تھے۔

احمر شفیع نے کافی کا آخری گھونٹ حلق کے اندر انڈیلا مگ سامنے رکھا اور پھر گہری سانس لے کر مسکرا کر ان کو دیکھا۔

"میں جاب لیس نہیں ہوں۔ فری لانسر ہوں۔ تم لوگوں کے ساتھ "جاب" ہی کر رہا تھا جس کی مجھے اچھی بھاری تنخواہ تم دونوں... میرے دو بے روزگار دوستوں نے دے دی ہے۔ بہت شکریہ۔ اب چلتا ہوں۔" کالر جھٹک کے کہتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دونوں ابھی تک بالکل چپ ہو کر اسے گھور رہے تھے۔ (پیدائشی فراڈ!)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
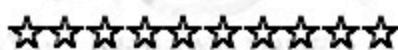
میرا چہرہ میری آنکھیں ہیں سلامت ابھی
کون کہتا ہے وضاحت نہیں کی جا سکتی

جواہرات کاردار اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا چہرہ اہانت سے تمتما رہا تھا، کلب کی عورتوں کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ سن گلاسز پھینکے' ایئر رنگز نوچ کے اتارے۔ پھر اپنے سراپے کو قد آور آئینے میں دیکھا۔ یہ جھریاں' یہ لکیریں' یہ کہاں سے نظر آنے لگی تھیں؟ غصے اور پریشانی سے اس نے گالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ مضطرب تھی' شکست خوردہ تھی۔ وہ کیا کرے؟

کھلے دروازے سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ لاؤنج میں میری اینجیو اور فیونا ایک ساتھ کھڑی ہو کر کوئی بات دھیمی آواز میں کر رہی تھیں۔ موضوع یقیناً مالکن کی دلچسپ حالت تھی۔

"یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ جاؤ اپنا کام کرو۔ جاؤ۔" وہ چلا کر کف پھاڑ انداز میں بولی تھی۔ میری پلٹ گئی۔ فیونا رہ گئی۔

"ہاشم صاحب کا حکم ہے کہ آپ کی طبیعت درست نہیں۔ آپ کو اکیلا نہ چھوڑوں۔ مجھے آپ کے دس میٹر قریب کے دائرہ کار میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے مجھے آپ کے کمرے کے باہر رہنا پڑے گا۔ میں معذرت چاہتی ہوں' میم!" مگر اس کا انداز معذرت چاہنے والا نہیں تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی تھی اور لبوں پہ مسکان جلوہ گر تھی۔

''دفعہ ہو جاؤ اس سے پہلے کہ میں تمہاری جان لے لوں۔'' وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ چلائی تھی۔ فیونا نے ادب سے سر کو خم دیا اور اس کے دروازے کے ساتھ رکھے اسٹول پہ جا بیٹھی۔ اس کا انداز فاتحانہ تھا۔ جو کرنا ہے اب کر لو۔

جواہرات اس پہ جھپٹنا ہی چاہتی تھی' گویا اسے ناخنوں سے نوچ کھائے گی مگر اوپر سے زینے اترتا نوشیرواں نظر آیا تو وہ رکی۔ وہ بے زار سا ٹرف حلیے میں نیچے آتا دکھائی دے رہا تھا۔

''شیرو۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اس کی طرف لپکی۔ وہ آخری زینے تک پہنچ گیا تھا۔ ایک بے زار نظر اس پہ ڈالی۔ ''آپ کو کیا ہوا؟''

''دیکھ رہے ہو تمہارا بھائی کیا کر رہا ہے میرے ساتھ؟'' اب اسے پروا نہ تھی کہ کون سنتا ہے' کون نہیں۔ ''وہ مجھے سزا دے رہا ہے۔ وہ مجھے اذیت دے رہا ہے۔ میرا قصور کیا ہے؟ میں نے صرف وہی کرنا چاہا جس سے اس کے مسئلے کم ہوں۔''

''تو میں کیا کروں ممی؟'' وہ اس کے قریب سے گزر کے آگے بڑھ گیا۔ اور سینٹر ٹیبل سے ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کیا۔ دیوار پہ نصب دیو ہیکل اسکرین چمک اٹھی۔ جواہرات ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کے جلدی جلدی بولی۔ ''تم اس سے بات کرو۔ اس سے کہو کہ وہ اپنا رویہ بدلے۔''

''بھائی میری نسبت آپ کی زیادہ مانتا ہے ممی۔ آپ دونوں کا آپس میں زیادہ اچھا رابطہ ہے۔ مجھے پتوانا ہوئیا علیشا کے شیئرز واپس خرید کے مجھے کمپنی سے کک آؤٹ کرنا ہو' ہر چیز آپ دونوں جیسے پہلے طے کرتے تھے' ویسے ہی کر لیں۔''

''نوشیرواں... میں تمہاری ماں ہوں۔'' وہ بے یقینی سے چلائی تھی۔

''اور آپ نے مجھے یہی سکھایا ہے۔'' وہ ترحم زدہ نظر اس پہ ڈال کے بولا تھا۔ ''کہ ہمیشہ اپنا مفاد دیکھو۔ کبھی بڑے بھائی کی غلط باتوں پہ اس کو ٹوکو نہیں۔ بس پیسہ خرچ کرو' سکون سے عیش کرو' بزنس کے معاملات' کس کو کب قتل کرنا ہے' کس کو اغوا کرنا ہے' یہ سب ہمیں ہینڈل کرنے دو۔ آپ نے مجھے کبھی کچھ ہینڈل کرنا سکھایا ہی نہیں۔ کبھی بڑا ہونے ہی نہیں دیا تو اب میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ آپ کا مسئلہ حل کر سکوں۔''

''تم...'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ ''تم اس سے بات تو کر سکتے ہو۔ اس کو اتنا تو کہہ سکتے ہو کہ وہ بے حس نہ بنے۔''

''اسے یہ سب کچھ آپ نے بنایا ہے۔ ظالم' بے حس۔ اب اس کا دل پتھر کا ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ بھائی کو پتھر کا مجسمہ آپ نے بنایا ہے۔ سنگِ مرمر کی طرح اس کو رگڑ رگڑ کے پالش کیا ہے۔ یہ چمکتے ہوئے پتھر سب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں ممی۔ میں آپ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا' کیونکہ مجھے کچھ کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ میں ایک ٹوٹل Failure ہوں' اور اب جب کہ میں اپنی روشنی ڈھونڈنے جا رہا ہوں تو مجھے اتنا خود غرض بنا دیا ہے ان گزرے سالوں میں آپ نے کہ میں خود اکیلا ہی منور ہونا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ مجھے معاف رکھیں اپنے معاملوں سے۔ ہم Yousufs نہیں ہیں' چھوٹے گھر میں رہنے والے عام لوگ نہیں ہیں' ہم جن کا بچہ بچہ اپنے مسئلے خود حل کر سکتا ہے۔ میں نہیں کر سکتا۔ جانتی ہیں کیوں؟'' وہ کہہ رہا تھا اور اس کی
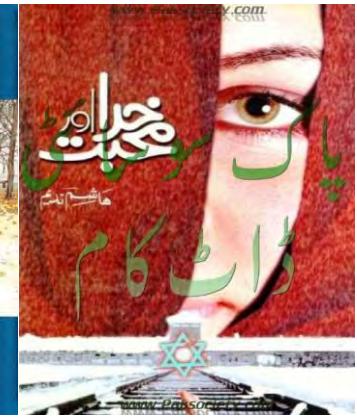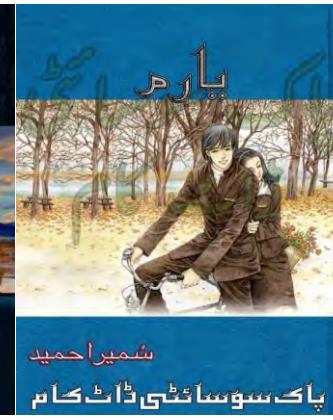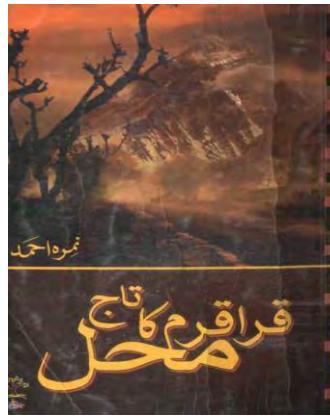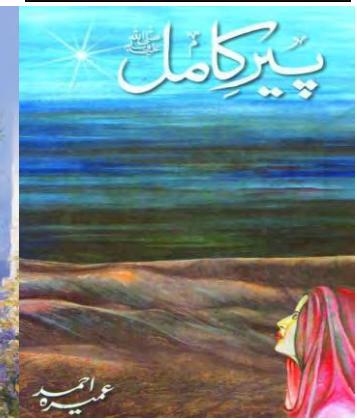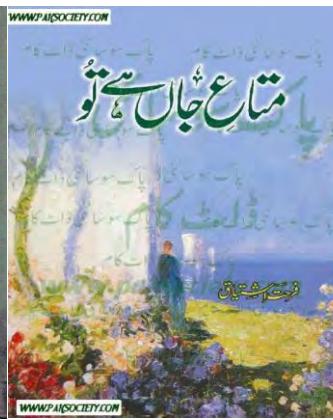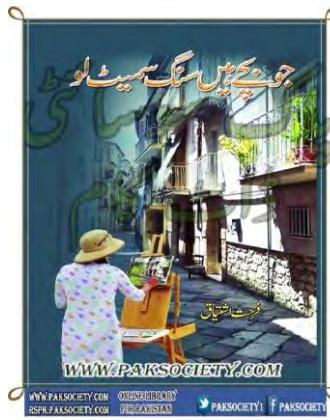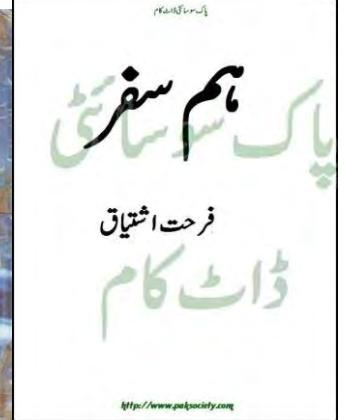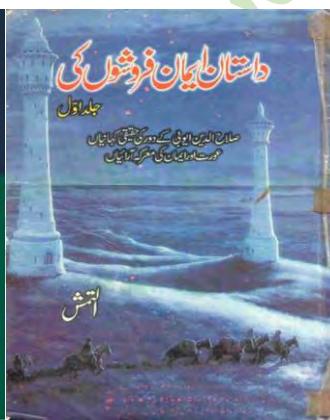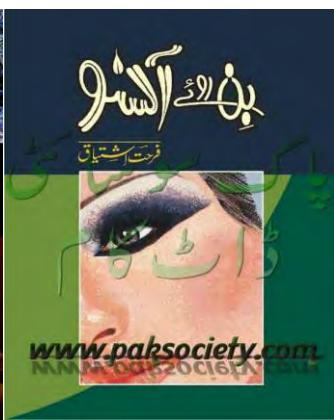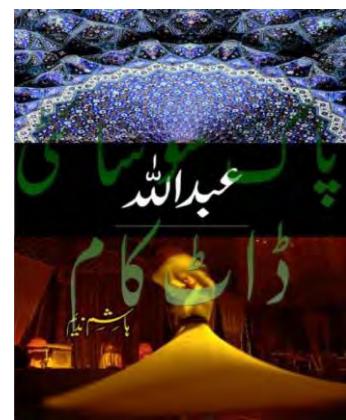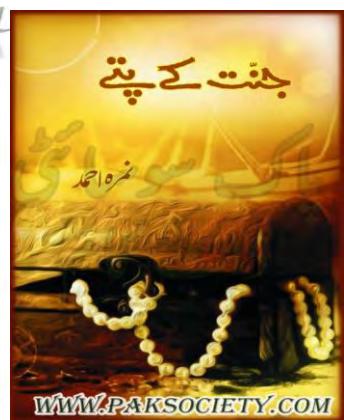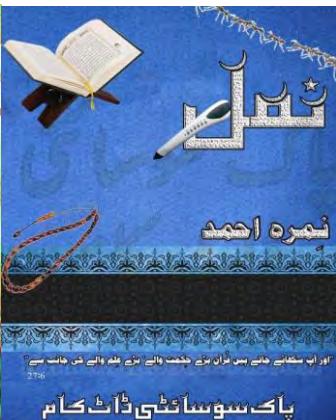
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ "کیونکہ کٹھن وقت میں اپنے مسئلے صرف وہی شخص خود حل کر سکتا ہے جو اچھے وقتوں میں دوسروں کے مسئلے حل کرتا آیا ہو۔ ان کی ماں نے ان کو دوسروں کے مسئلے دور کرنا سکھایا ہے' اور میں تو کسی قابل نہیں ہوں۔ مجھے آپ نے کبھی کسی قابل ہونے ہی نہیں دیا۔" سر جھٹک کے اس نے ٹی وی بند کیا اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔ جواہرات بے بسی سے آنکھوں میں آنسو لئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
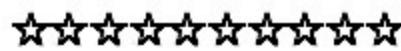
بولوں گا جھوٹ تو مر جائے گا ضمیر
کہہ دوں اگر میں سچ تو مجھے مار دیں گے لوگ۔

اس پرسکون سی کالونی میں سبز بیلوں سے ڈھکے مور چال کے اندر تناؤ زدہ ماحول چھایا تھا۔ لاؤنج کے ایک کونے میں فارس اور سعدی آمنے سامنے کھڑے تھے' اور سعدی برہمی سے کہہ رہا تھا۔ "میری بہن گواہی نہیں دے گی۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"سعدی زمر اسے نہیں بلائے گی تو ہاشم اسے بلائے گا۔ اسے پیش ہونا پڑے گا۔" فارس اس کو دھیمی آواز میں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں بے غیرتوں کی طرح اس کو بے عزت ہوتے دیکھوں؟ وہ آدمی ہر طرح کے سوال پوچھے گا۔" سعدی کا چہرہ گلابی پڑ رہا تھا اور وہ بار بار نفی میں سر ہلاتا تھا۔

"آہستہ بولو۔ تمہاری امی سن لیں گی تو ان کو کیا وضاحتیں دیتے پھرو گے۔" اس نے دبی آواز میں جھڑکا تھا۔ ندرت کچن میں کھڑے ہو کے چولہا اپنی نگرانی میں حسینہ سے صاف کروا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ لاؤنج کے پرلے کونے میں کھڑے وہ دونوں کس بات پہ بحث کر رہے تھے اور زمر اندر کمرے میں حنین کو کن سوالات کی تیاری کروا رہی تھی۔ وہ زخمی تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔

"یہ اولاد کیا سمجھتی ہے؟ ماں کچن میں مصروف ہے اور باپ دفتر میں تو ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا؟ اس اولاد کو کون سمجھائے کہ ماں باپ کو ان کی رگ رگ کی خبر ہوتی ہے۔ یہ رات کو کمبل میں موبائل جلا کے کیا کر رہے ہیں' یا باتھ روم موبائل ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں' کس کتاب میں رکھ کے کون سا رسالہ پڑھتے ہیں' سب طرف نظر ہوتی ہے ماں کی۔ ماں کے سینے میں کتنے راز دفن ہوتے ہیں' یہ بچے کب جان پائیں گے آخر؟ بس جب نظر آ رہا ہو کہ بچہ بگڑ رہا ہے تو بروقت کی روک ٹوک سے معاملہ خراب کرنے کی بجائے اسے مزید توجہ' اور پیار دینے کی کوشش کرتے ہیں میرے جیسے والدین۔ اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو پلٹا لائے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ماں کو کبھی نہیں پتہ چلے گا کہ کیا کیا گل کھلائے ہیں انہوں نے۔ بے غیرت نہ ہوں تو۔) وہ ساتھ ساتھ چیزیں اٹھا پٹخ بھی کر رہی تھیں۔

"میں پھر سماعت پہ نہیں آؤں گا۔" وہ خفا اور برہم سا کہہ رہا تھا۔ فارس نے مزید کوفت سے اسے دیکھا۔ "مطلب اپنی بہن کو اکیلا کر دو گے؟ اس سے ہاشم کو کیا پیغام ملے گا' ہاں؟" سعدی خاموش ہو گیا مگر ابرو ہنوز بھینچے ہوئے تھے۔

اوپر حنین کے کمرے میں آؤ تو وہ بیڈ پہ سر جھکائے اکڑوں بیٹھی تھی۔ ہاتھ باہم پھنسائے' وہ لب کاٹے جا رہی تھی۔ سامنے کرسی پہ بیٹھی زمر

نوٹ پیڈ ہاتھ میں لئے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ کھنکھاری۔ "ایک دفعہ پھر سے شروع کرتے ہیں۔ لیکن تم نے اب نہیں رونا۔ اگر فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس سب کا سامنا کرو۔" حنین نے جھکے چہرے کے ساتھ گیلی آنکھیں رگڑ لیں۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ہاشم کی اپروچ کیا ہو گی۔ دیکھو تم میری گواہ ہو، جب حلف لو گی تو میں پہلے سوال کروں گی۔ اسے Examination in chief کہتے ہیں۔ پھر وہ آئے گا اور تم سے جرح کرے گا (جرح کو کراس کرنا کہتے ہیں) اور ضروری نہیں کہ ان سوالوں کا تعلق میرے سوالوں سے ہو۔ وہ تمہارا کردار مسخ کرنے کی کوشش کرے گا..." (حنین نے کرب سے آنکھیں بند کیں) "تمہاری کریڈیبلٹی کو ٹھیس پہنچائے گا، تم نے جواب میں صرف سچ بولنا ہے۔ عزت صرف سچ دلایا کرتا ہے۔ محتاط سچ۔ پھر میں دوبارہ تمہیں re-exmanie کر سکتی ہوں لیکن اب میں صرف ان باتوں کی وضاحت کے لیے سوال کر سکتی ہوں جو اس نے پوچھی تھیں۔ نئی بات نہیں ایڈ کر سکتی۔ پھر وہ دوبارہ میری بات کا تاثر زائل کرنے کے لئے کوئی بھی سوال پوچھ سکتا ہے۔ اسے re-cross کہتے ہیں۔" حنین کچھ نہیں بولی، چہرہ جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"میں تم سے سوال پوچھ چکی ہوں، تم جو جانتی تھی کاردارز کے بارے میں، سب بتا چکی ہو اب سمجھو کہ میں ہاشم کاردار ہوں اور میں یہاں تمہیں cross کرنے لگی ہوں۔ اوکے!"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ نظریں اب بھی جھکی تھیں۔

"حنین یوسف خان۔" زمر نوٹ پیڈ کو دیکھ کر بولی۔ "ملزم نوشیرواں کاردار کو آپ کتنے عرصے سے جانتی ہیں؟"

"تقریباً آٹھ سال سے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"اور یقیناً آپ مجھے بھی جانتی ہوں گی؟" حنہ نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ ایک دم لگا وہ کٹہرے میں کھڑی ہے اور سامنے قیمتی سوٹ میں ملبوس، تیز پرفیوم کی خوشبو سے مہکتا ہوا وہ کھڑا ہے اور مسکرا کے اسے دیکھ رہا ہے۔

"جی!" اس کی آواز پست تھی۔ دل کانپا تھا۔

"ابھی آپ نے کہا کہ آپ کئی ماہ سے میرے خاندان کی اصلیت سے واقف تھیں، لیکن کیا آپ نے میرے منہ پہ مجھے کبھی ایسی بات کہی؟"

"نہیں!" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "مجھے دیر سے پتہ چلا تھا۔"

"کتنا دیر سے؟ کیونکہ کیا یہ درست نہیں ہے کہ کئی ماہ آپ مجھ سے واٹس ایپ پر رابطے میں رہی تھیں، دن میں کئی دفعہ میسج کرتی تھیں؟"

"یہ درست ہے مگر مجھے اس وقت آپ کی اصلیت نہیں پتہ تھی۔"

"اور وہ باتیں آپ اپنی فیملی سے چھپ کے کرتی تھیں۔ کیا معلوم ہونے پہ آپ کی فیملی اس بات کو پسند کرتی؟"

"مجھے نہیں پتہ!"

''اور جیسا کہ آپ نے Examination in chief کے دوران کہا... ایک جمعے کی دوپہر بریانی کھاتے ہوئے آپ کے گھر میں' میں نے وہاں بیٹھ کے آپ لوگوں سے معافی مانگی تھی!''

''جی۔آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔''

''حنین' کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ہیکر ہیں؟''

''جی!'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔ سارے منظر دھندلا رہے تھے۔

''اور کیا آپ کے فیملی اینڈ فرینڈز آپ سے فیورز مانگتے رہتے ہیں؟''

''میں ناجائز کام نہیں کرتی۔''

''چلیں' اپنے دوستوں کو کسی کرائسز سے نکالنے کے لئے اپنی ہیکنگ skills تو آزمائی ہوں گی آپ نے؟''

''جی!'' وہ بولی تو زمر کی آواز پس منظر میں سنائی دی۔ ''احمر نے بتایا ہے کہ وہ جانتا ہے اوسی پی صاحب کے بارے میں سب کچھ۔ اب وہ leading سوال پوچھے گا۔'' پھر جیسے اسے ہاشم کی آواز سنائی دینے لگی۔ ہر سو دھند تھی اور وہ خود کو کٹہرے میں کھڑا محسوس کر رہی تھی۔

''کیا کبھی کسی بارسوخ عہدے پہ موجود آدمی نے آپ کی خدمات کے لئے آپ سے رابطہ کیا؟''

''جی۔'' اس کی آواز کپکپائی۔

''اور کیا مدد مانگی تھی انہوں نے آپ سے؟ اب یہاں حنہ میں آبجیکٹ کروں گی کہ وہ موضوع سے ہٹ رہا ہے مگر جج میرا اعتراض رد کر دیں گے۔ پھر تم جواب دو گی۔''

''ان کی بیٹی کی عزت خطرے میں تھی' وہ اس کو بچانا چاہتے تھے۔''

''اور یہ کام کرنے کے لئے آپ نے بدلے میں کوئی فیور مانگا تھا ان سے؟''

''جی۔ مانگا تھا۔''

''آپ ان صاحب کا نام اور اس کام اور فیور کی تفصیل کورٹ کو بتائیں گی تاکہ کورٹ کو معلوم ہو سکے کہ آپ کس کردار کی حامل ہیں۔''

''وہ مر چکے ہیں میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔'' اس نے نفی کی۔

زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔ ''ایسے نہیں حنہ۔ تمہیں جواب دینا ہو گا' لیکن احتیاط سے۔'' پھر وہ ٹھہری۔

''آپ ہاشم کا ردار نہیں ہیں۔'' وہ ایک دم گیلا چہرہ اٹھا کر بولی تو زمر نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ''اس لئے آپ یہاں سے جائیں۔''

''حنہ پھر witness prep کیسے کرو گی؟ تمہاری وکیل ہونے کی حیثیت سے....''

''آپ میری وکیل نہیں ہیں۔ آپ سعدی یوسف کی وکیل ہیں۔ میں اپنی وکیل خود ہوں۔ میں اپنا مسیحا خود ہوں۔ یہ میری غلطی تھی۔ میں

اسے خود فکس کروں گی۔ پلیز آپ جائیں۔" زمر گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔ باہر آئی تو فارس سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑا تھا۔ "ہمیں اسے دبئی بھیج دینا چاہیے۔" وہ اسے دیکھ کے ناخوشی سے بولا تھا۔ سعدی کو جو کہا سو کہا' مگر وہ خود بھی خوش نہیں تھا۔

"میرا بھی یہ خیال ہے۔" وہ آزردگی سے سر ہلا کے رہ گئی۔ پھر چونک کے اسے دیکھا۔

"وہ ڈنر..." ابھی یاد آیا۔

"ویک اینڈ پہ۔" وہ تکان سے مسکرایا۔ "مگر بل آپ دیں گی۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔" وہ خفگی سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاتھوں کا ربط حرف خفی سے عجیب ہے

ہلتے ہیں ہاتھ راز کی باتوں کے ساتھ ساتھ

وہ رات قصر کاردار پہ پہلے سے زیادہ ویران اور بوجھل سی اتر رہی تھی۔ لاؤنج میں ٹی وی چلنے کی مدھم آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسے میں جواہرات بڑے صوفے پہ بیٹھی تھی۔ وہ پہلے سے بہت بہتر اور سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ دوا کا اثر تھا' موڈ بھی ٹھیک تھا۔ ساتھ سونیا پیر اوپر کر کے بیٹھی ٹیبلٹ گھٹنوں پر رکھے' گیم کھیل رہی تھی۔

"ممی!" دفعتاً اس نے سر اٹھا کے جواہرات کو مخاطب کیا۔ وہ چونکی' پھر مسکرا کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ہوں۔" اور نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"بابا اب اتنے بزی کیوں ہوتے ہیں؟"

"بابا کے کچھ پرابلمز ہیں نا۔ اس لئے۔" وہ پیار سے بولی تھی۔ سونی چونکی۔ آنکھیں اٹھا کے اسے تعجب سے دیکھا۔ بالکل ہاشم کی آنکھوں جیسی تھیں وہ۔ چمکدار اور ذہین۔

"بابا کے کیا پرابلمز ہیں؟"

"کچھ برے لوگ ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ فارس غازی جیسے۔"

"فارس انکل؟" سونی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "وہ برے نہیں ہیں۔"

"وہ بہت برے ہو گئے ہیں اب چندا۔ وہ چاہتے ہیں کہ مجھے' تمہیں' تمہارے بابا' شیرو سب کو مار دیں۔ ہمیں جیل میں ڈال دیں۔ وہ ہمارے دشمن بن گئے ہیں۔ انہوں نے ہمارے پلانٹ میں آگ لگوائی' شیرو کو اتنے دن جیل میں قید رکھا' وہ بہت خطرناک ہیں۔"

سونیا حیرت اور تعجب سے اس کو دیکھے گئی۔

"اور بس تم نے ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ تمہارے بابا سب سے اچھے ہیں' اور ان کے دشمن بہت برے۔ کبھی بھی اپنے بابا' مجھے' شیرو کو doubt

نہیں کرنا۔اور اگر کبھی فارس سے ملاقات ہو تو ان سے بات تک نہیں کرنی۔وہ گندے لوگ ہیں۔دہشت گرد اور قاتل۔آئی سمجھ۔"

سونی نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔اس کا ننھا دماغ ان باتوں کو ہضم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ گم صم سی ہو گئی۔

"بس سونیا۔کھانا کھا لیں،" فیونا کی آواز آئی تو سونی اٹھ کے اس کی طرف بھاگ گئی۔فیونا ٹرالی دھکیلتی ڈائننگ ہال میں جا رہی تھی۔ایسے میں جواہرات نے دیکھا'سونی کا ٹیب وہیں صوفے پہ رکھا تھا۔جواہرات نے کشن اٹھایا'اس کے اندر ٹیب بھی (اس سمت سے جہاں سی سی ٹی وی کیمرہ اس کو نہیں پکڑ سکتا تھا) اور اسے لئے اندر کمرے میں آ گئی' گویا سونے کے لئے جا رہی ہو۔

دروازہ بند کرتے ہی اس نے ٹیب کھولا' اور تیز تیز کیز دبانے لگی۔ٹیب کی چمکتی اسکرین کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی اور وہ نیلاہٹ بھری سفیدی سے روشن لگ رہا تھا۔ایسا نیلا سفید جو زہر سے بھرے وجود کا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پھرتے ہیں مثل موج ہوا شہر میں،

آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو!

اس صبح یوں لگتا تھا پورا شہر پسینے سے چپ چپ کر رہا ہو۔ایسے میں جیل کے ملاقاتی ہال میں شدید گھٹن اور حبس محسوس ہوتا تھا۔بوتھ کے دونوں اطراف میں انسانوں کی قطاریں لگی تھیں۔باری باری قیدی اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات کر رہے تھے۔

چار سال تک وہ سوراخوں والی اسکرین سے مزین بوتھ کے دوسری طرف ہوتا تھا۔آج وہ اس طرف بیٹھا تھا اور نگاہیں سامنے بیٹھے نیاز بیگ پہ جمی تھیں۔قیدیوں کا لباس پہنے'بڑی مونچھوں والا تیوریاں چڑھائے نیاز بیگ ناخوش لگتا تھا۔

"تمہاری بی بی چکر لگا گئی ہے۔میرا بیان نہیں بدلے گا۔میں نے ماری تھیں سعدی یوسف کو گولیاں۔"

"شاید تم مجھے جانتے نہیں ہو۔" وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولا مگر دوسری طرف کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔نیاز تلخی سے مسکرایا تھا۔"جانتا ہوں صاب.....بہت قصے سنے ہیں تمہارے اس جیل میں۔" اور ناک سے مکھی اڑائی۔

فارس نے غور سے اسے دیکھتے لہجے کو دھیما کیا۔"دیکھو'تم دو کیسز میں نامزد ہو۔شہزا ملک اغوا کیس میں تم بے قصور ہو اور اگر میں چاہوں تو شہزا کو منا سکتا ہوں'وہ تمہارا نام واپس لے لے گی۔سعدی یوسف اغوا کیس میں تم اغوا کے مجرم ہو'اقدام قتل کے نہیں۔لیکن ہم تمہارا نام خارج کر دیں گے'اور تم آزاد ہو جاؤ گے اگر....." اس نے وقفہ دیا۔نیاز بیگ غور سے اسے دیکھتا سن رہا تھا۔

"اگر تم عدالت میں سچ بول دو۔"

"میں نے سعدی یوسف کو گولی ماری تھی'یہی سچ ہے۔"

"نیاز بیگ۔" فارس نے افسوس سے سر ہلایا۔"کتنے پیسے دینے کا کہا ہے ہاشم کاردار نے؟ وہ میرا کزن ہے۔خون ہے میرا۔میں اسے جانتا ہوں۔ادھر تم نے گواہی دی'ادھر تم اس کے لئے خطرہ بن جاؤ گے۔وہ تمہیں جیل میں ہی ختم کروا دے گا۔"

نیاز بیگ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری مگر وہ انہی سخت تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

''ہم سب جانتے ہیں کہ تم نے یہ نہیں کیا۔'' اس نے میز پہ رکھے پرنٹ آؤٹس اٹھائے اور شیشے کی اسکرین کے سامنے کیے۔ پہلے پہ سعدی یوسف کا خون میں لت پت وجود پڑا تھا۔ ''یہ تم نے نہیں کیا۔ اتنے پیارے نوجوان کو تم نے نہیں مارا۔ وہ بھی چند ڈر گز کے پیچھے۔ یا اس کے اس سیل فون کے پیچھے جسے تمہارے بیان کے مطابق تم نے بیچ دیا تھا۔'' اس نے دوسرا کاغذ سامنے کیا۔ نیاز بیگ خاموشی سے شیشے کے پار لہراتے کاغذ دیکھنے لگا۔

''کوئی کیسے یقین کرے گا کہ تم ایک لڑکے کو اتنی بری طرح پیٹ سکتے ہو اس کو اتنی گولیاں مار سکتے ہو وہ بھی صرف اس سیم سانگ گلیکسی ایس 6 کے لئے؟ کتنے کا بک گیا ہو گا یہ فون؟ عدالت کو کیا اس فون کی قیمت نہیں معلوم ہو گی؟'' کاغذ پہ اب سیاہ رنگ کا موبائل نظر آ رہا تھا۔ اس نے کاغذ نیچے رکھے اور ترحم سے اسے دیکھا۔ ''تمہارا بیان کمزور ہے' کوئی یقین نہیں کرے گا۔ اور وقت پڑنے پہ ہاشم کاردار تم سے چھٹکارا حاصل کر لے گا۔ اس لئے اس کی باتوں میں مت آؤ۔ عدالت میں کم از کم اتنا کہہ دو کہ تم نے سعدی کو گولیاں نہیں ماری تھیں۔''

''اور بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟'' وہ اسی انداز میں بولا تھا۔ فارس کے چہرے پہ بالآخر مسکراہٹ اڈ آئی۔

''پیسے چاہیے ہیں؟ میں دوں گا اور تمہاری حفاظت بھی کروں گا۔ کیا سمجھے؟'' نیاز بیگ نے اثبات میں سر ہلایا۔ فارس نے اب ایک اور کاغذ سامنے کیا۔ ''تمہاری بیرک کا سپاہی تمہیں یہ کاغذات دے دے گا۔ یہ چند فقرے یاد کر لینا۔ یہ بولو گے تم عدالت میں۔''

''تم واقعی مجھے پیسے دو گے؟'' وہ اب مشکوک لگتا تھا۔

''آزما کے دیکھ لو۔'' نیاز بیگ نے اب کے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔ وہ گہری سوچ میں گم تھا۔

فارس وہاں سے باہر آیا تو جیل کی حدود سے نکل کر اس نے زمر کو فون ملایا۔

''کام ہو گیا ہے۔ نیاز بیگ مسئلہ نہیں کرے گا۔ اس کی جرح ہمارے حق میں جائے گی۔''

''پکی بات ہے نا؟'' وہ مشکوک تھی۔ ''وہاں جا کر وہ تمہاری ہر بات بھول گیا تو؟''

''نہیں میں تو بے کار آدمی ہوں' مجھے تو کچھ کرنا آتا ہی نہیں ہے۔ جاب لیس' نکما ہوں میں۔''

''ساتھ میں دو نمبر بھی ہو۔'' اور وہ دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

اور ادھر اس کے جاتے ساتھ ہی نیاز بیگ واپس آ کر ایک بڑے کمرے میں آیا جہاں موبائل جیمر زاثر نہیں کرتے تھے۔ وہاں لمبے لیٹے آدمی سے اس نے موبائل مانگا اور پھر کونے میں جا کر کال ملائی۔ فون کان سے لگاتے ہی وہ بولا تھا۔ ''کاردار صاحب۔ نیاز بیگ بول رہا ہوں۔''

''اتنی صبح فون کرنے کا مطلب ہے فارس غازی آیا تھا تمہارے پاس؟'' ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا چند فائلز دیکھ رہا تھا انداز میں اطمینان تھا۔

''جی۔ابھی ابھی گیا ہے۔''

''کیا کہا اس نے؟ وہی جو میں نے کہا تھا؟ کہ ہاشم کاردار تمہیں مروا دے گا' میں تمہیں زیادہ پیسے دوں گا وغیرہ وغیرہ۔'' وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''ایک ایک حرف وہی کہا اس نے۔'' وہ آگے سے ہنسا تھا۔

''گڈ۔تم نے کیا کیا؟''

''وہی جو آپ نے کہا تھا۔اسے سوچنے کا تاثر دیا ہے' مگر اسے یقین ہے کہ میں مان گیا ہوں۔''

''ویری گڈ۔اب وہ عدالت میں جرح کی تیاری غلط رخ سے کریں گے۔تم اپنی تیاری پوری رکھو۔''

''جو حکم صاب۔ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں۔''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' نخوت سے کہہ کر ہاشم نے فون میز پہ ڈال دیا۔پھر تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔''میں شہر بھر کے گواہوں کو خرید سکتا ہوں' جانتا نہیں ہے یہ کیا؟'' منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ کاغذ الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جی میں آئے جو کر گزرتا ہے

ٹو کسی کا کہا نہیں کرتا!

مورچال کے لاؤنج میں چھٹی والے دن کی رونق تھی۔زمر' فارس اور سعدی مخالف صوفوں پہ بیٹھے تھے' اور تینوں اپنے اپنے فونز پہ لگے تھے۔نیچے کشن پہ سیم لیٹا تھا اور وہ بھی ٹیب پہ کچھ کھیل رہا تھا۔ایک کونے میں ڈسٹنگ کرتی حسینہ کام چھوڑ کے اپنا فون دیکھ رہی تھی۔ایسے میں وہیل چیئر پہ بیٹھے خاموش سے بڑے ابا باری باری سب کے جھکے چہرے تک رہے تھے۔

''کیا ہم یہ طے نہیں کر سکتے کہ جب سارے گھر والے ساتھ بیٹھے ہوں تو کوئی اپنے موبائل کو نہیں دیکھے گا؟ (سب کے موبائل ایک ساتھ نیچے ہوئے۔) اور اسامہ' کیا تمہیں ایسے گیمز کھیلنے کا شوق نہیں ہے جو تمہیں باہر جا کے کھیلنے ہوں۔چل پھر کے۔بھاگ دوڑ کے۔'' ابا نے اسے پکارا تو سیم اسکرین پہ نگاہیں جمائے خوشی سے بولا تھا۔''ہے نا بڑے ابا۔لیکن پتہ نہیں Pokemon Go پاکستان میں کب آئے گی۔'' (اس نے اس موبائل گیم کا نام لیا جس کو کھیلنے کے لیے موبائل ہاتھ میں لے کر چلنا پھرنا پڑتا ہے)

''ابا صحیح کہہ رہے ہیں۔'' زمر اپنا فون رکھتے ہوئے بولی تھی۔''جب ساری فیملی ساتھ بیٹھی ہو تو کوئی موبائل استعمال نہیں کرے گا اور حسینہ آپ کی ڈسٹنگ نہیں ہوئی۔'' ساتھ میں خفگی سے اس کو بھی لتاڑا۔وہ جلدی سے فون رکھ کے ہڑبڑا کے کام کرنے لگی۔فارس جو اپنا موبائل جیب میں رکھ ہی رہا تھا' ایک دم چونک کے حسینہ کو دیکھنے لگا جس نے ابھی ابھی ایک چمکتا ہوا اسمارٹ فون سائیڈ ٹیبل پہ دھرا تھا۔پھر اس نے سعدی کو دیکھا۔وہ فون رکھ کے بڑے ابا سے بات کرنے میں مصروف تھا' متوجہ نہیں تھا۔فارس نے پھر سے حسینہ کے فون کو دیکھا۔

''حسینہ.... یہ نیا ہے؟ کافی مہنگا لگتا ہے۔ کس نے لے کر دیا؟ آپا نے؟'' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔ سعدی بھی چونک کے اس طرف دیکھنے لگا۔ حسینہ نے ایک دم سب کو اپنی طرف متوجہ پایا تو اس کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

''نہیں فارس بھائی۔ صداقت نے لے کر دیا ہے۔''

''ماشاءاللہ صداقت لگتا ہے پیسے جوڑ جوڑ کے رکھنے لگ گیا ہے۔ دو ماہ پہلے تک تو نیا جوتا خریدنے سے پہلے بھی سو بار سوچتا تھا۔'' اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے حسینہ کو دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''نہیں جی' کمیٹی ڈالی تھی ہم نے۔ ابھی قسطیں دینی ہیں۔'' وہ سر جھکا کر کام کرنے لگی۔ فارس ''ہوں۔'' کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''عمر کی باتوں پہ نہ جائیں' ماموں۔ ہمارے ملازم ایسے نہیں ہیں۔'' وہ انگریزی میں تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے پتہ ہے' میں تو یونہی۔'' اس نے سر جھٹکا۔ زمر اور بڑے ابا بھی تادیبی نظروں سے اسے دیکھنے لگ گئے تھے۔

''اس نے واقعی کمیٹی ڈالی ہے اور مجھے پتہ ہے کہ کہاں ڈالی ہے۔'' زمر نے اسے گھور کے دبی آواز میں کہا تھا۔ بڑے ابا کو بھی برا لگا تھا شاید۔ اور حسینہ کو بھی احساس ہو گیا تھا۔ وہ ایک دم دکھی نظر آنے لگی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' فارس نے جان چھڑانی چاہی۔

''ہم صداقت کو عرصہ دراز سے جانتے ہیں' فارس۔ وہ بہت ایماندار اور شریف لڑکا ہے۔'' ابا نے سبھاؤ سے اس کو گویا سمجھایا' یا شاید بہت کچھ واضح کیا۔

''جی' مگر.....'' وہ گہری سانس لے کر اٹھا۔ ''ہم اس کی بیوی کو تو عرصہ دراز سے نہیں جانتے۔ خیر میں بس ایک بات کر رہا تھا۔'' انگریزی میں کہہ کر معذرت کرتا وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔ فارس سے کون بحث کرتا' لیکن حسینہ کے لئے بھی سب کو برا محسوس ہو رہا تھا۔ بے چاری بے گناہ غریب لڑکی پہ وہ شک کرنے لگا تھا۔ یونہی خواہ مخواہ میں۔ اسے ایسے نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ زمر' ابا اور سعدی سب یہی سوچ رہے تھے۔

اوپری منزل پہ آؤ تو حنین اپنے کمرے کے بند دروازے کے اندر' آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ پژمردہ چہرہ' حلقوں والی آنکھیں لئے' وہ اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گردن کڑا کر کہنے کی کوشش کی۔

''یور آنر' یہ مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے ان سے کبھی موبائل پہ باتیں نہیں کیں۔'' آواز کپکپاتی ہوئی اور لہجہ کمزور تھا۔ مگر اس نے پھر سے کہنے کی سعی کی۔

''جی نہیں۔ میں کسی اوی پی کو نہیں جانتی۔ جی نہیں' میرے پاس کبھی فرینڈز اینڈ فیملی فیورز لینے نہیں آتے۔ آپ بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں۔ میں آپ کو sue کر سکتی ہوں۔'' آواز پھر سے کانپی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر آنکھیں رگڑیں اور اپنا موبائل اور پرس اٹھا کے کمرے سے باہر نکلی۔ اسے سیم کے ساتھ وال پیپر لینے بلیو ایریا جانا تھا۔

حنین اور سیم کو صداقت ڈرائیو کر کے ابھی کالونی کے اختتام تک ہی لایا تھا جب ایک لمبی چمکتی ہوئی کار سامنے سے آتی دکھائی دی۔ جب

دونوں گاڑیوں نے ایک دوسرے کو پاس کیا تو حنین نے دیکھا' پچھلی سیٹ پہ آبدار عبید بیٹھی نظر آرہی تھی۔ (کار کے شیشے سیاہ تھے' مگر اس نے شیشہ گرا رکھا تھا اس لئے دکھائی دیتی تھی۔) زندگی میں پہلی بار حنین جان گئی تھی کہ جواہرات جوانی میں کیسی ہوتی ہو گی۔

وہ برآمدے میں کرسی پہ ٹیک لگائے سوچ میں گم بیٹھا تھا جب کھلے گیٹ کے پار وہ آتی دکھائی دی۔ فارس چونک کے سیدھا ہوا۔ وہ بال چہرے کے ایک طرف ڈالے' سر پہ سرخ ریشمی رومال لپیٹے' سفید لباس پہنے ہوئے تھی۔ اسے بیٹھے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سر کو خم دیا۔ آبدار اس کے بالکل مقابل آرکی۔ سبز سرمئی آنکھوں سے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ آپ ادھر کیسے؟" آج تیوری نہیں چڑھی تھی۔

"اس دن بات ادھوری رہ گئی تھی میں اپنی پوزیشن کلیئر کرنا چاہتی تھی ذرا۔ اگر آپ مجھے چند منٹ مزید برداشت کر سکیں تو بیٹھ کے بات کر لیں؟" کہنے کے ساتھ اس نے کرسی کھینچی۔ وہ "جی بیٹھیے۔" کہتا دوسری کرسی کی طرف آیا۔ بار بار غور سے اس کو دیکھتا بھی تھا۔ گویا الجھن کا شکار ہو۔

"میری وجہ سے آپ کو مشکلات پیش آرہی ہیں' میں جانتی ہوں۔" وہ کرسی پہ ٹیک لگا کے اپنے ازلی شاہانہ انداز میں بیٹھ گئی اور دو انگلیوں سے کان کی بالی چھیڑتے ہوئے' نظروں کے حصار میں اس کا چہرہ مقید کیے گویا ہوئی۔

"میری ہر وقت آپ کی توجہ گھیرنے کی خواہش سے آپ کی وائف ان سیکیور رہنے لگی ہیں۔ پھر میری اس معصوم خواہش کو غلط رنگ دے کر بابا نے جو کیا میں اس کے لئے بھی شرمندہ ہوں اسی لئے وہ ہیرے کی لونگ واپس کرنے آگئی تھی' ہاں مگر تب مجھے لگا تھا کہ آپ کی وائف آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں' وہ آپ کو ڈیزرو نہیں کرتیں۔ لیکن میں غلط تھی۔ میں ان کو سمجھ نہیں تھی شاید۔ ایک دوست کی حیثیت سے صرف آپ کو خبردار کرنا چاہتی تھی' نگران کے خلاف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور اب جب کہ مجھے احساس ہو چکا ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں تو میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کسی بھی قسم کی کوئی غلط فہمی در آئے۔ امید ہے میری طرف سے آپ کا دل صاف ہو گیا ہو گا۔"

فارس نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا۔ "آپ یہ سب پہلے کلیئر کر چکی ہیں۔"

"مجھے آپ سے ایک گلہ بھی کرنا تھا۔" وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اداس مسکراتی نظریں اس پہ جمائے کہہ رہی تھی۔ "آپ نے مجھے استعمال کیا سعدی تک پہنچنے کے لئے۔ مجھے برا نہیں لگا مگر اچھا بھی نہیں لگا۔"

"چلیں۔ کولمبو میں' میں نے آپ کو ایڈونچر تو دیا نا۔"

"کون سا ایڈونچر؟ آپ تو فرار ہو گئے تھے میں تو اکیلی رہ گئی تھی۔ آپ بار بار بھول جاتے ہیں کہ میں اتنے مسائل کا شکار آپ کی وجہ سے ہوں۔"

اور پہلی دفعہ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ چہرے پہ افسوس در آیا۔ اس نے سر جھکا دیا۔ پھر گہری سانس لی۔ "آئی ایم سوری۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"مسز کاردار مجھے مسلسل نفرت انگیز پیغامات بھیج رہی ہیں۔" اس نے اپنا سیل فون اس کی طرف بڑھایا جسے فارس نے قدرے بھاری ہوتے دل کے ساتھ تھام لیا۔ وہ عجیب کیفیات کا شکار ہو رہا تھا۔ "آپ نے وہ ویڈیو ہاشم کو دے دی' میرا نہیں سوچا اب وہ اس کا انتقام مجھ سے لیں گی۔"

"آپ خود ہی تو وہ ثبوت ہمیں دینا چاہتی تھیں' یہ بات آپ کو پہلے سوچنی چاہیے تھی۔" آواز پہ ان دونوں نے چونک کے دیکھا۔ زمر باہر آتے ہوئے ٹھنڈے سے انداز میں بولی تھی۔ آبدار بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مسز زمر!" مسکرا کے گویا ہوئی۔ "میں آپ سے معذرت کرنے آئی تھی۔ میں نہیں چاہتی آئندہ میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہو۔"

زمر نے فارس کے برابر میں کرسی کھینچی اور اس پہ بیٹھی۔ "آپ کو کیوں لگا آپ کی وجہ سے ہمارے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گی؟ ہم outsiders کی وجہ سے آپس میں نہیں جھگڑا کرتے۔" فارس نے کچھ نہیں کہا' وہ موبائل پہ میسجز دیکھ رہا تھا۔ آبدار کے چہرے پہ افسوس اتر آیا۔ "لگتا ہے آپ ابھی تک خفا ہیں۔ مگر چلیں میں خوش ہوں کہ فارس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اور ہاں۔ یہ میں آپ کے لئے لائی تھی۔" اس نے پرس کے ساتھ پکڑا ننھا سا باکس میز پہ رکھا۔

فارس نے خاموشی سے فون اسے واپس کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے باکس کو دیکھا۔

"یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ پرفیوم۔ مجھے اچھا لگا' میں نے لے لیا۔"

"سوری میں یہ تحفہ نہیں لے سکتا۔" وہ شائستگی سے معذرت کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ (زمر نے برہمی سے اس تحفے کو دیکھا تھا۔)

"مجھ سے میرے پلین میں رائیڈ لے سکتے ہیں' میری انجیو کے خلاف ٹپ لے سکتے ہیں' مسز کاردار کی ویڈیو لے سکتے ہیں' میرا اپارٹمنٹ لے سکتے ہیں' مگر تحفہ نہیں لے سکتے؟" وہ مسکرا کے بولی تھی۔ "اگر آپ نہیں لیں گے تو مجھے لگے گا کہ آپ نے مجھے معاف نہیں کیا۔"

"او کے!" اس نے سر کو خم دیا۔ زمر نے چونک کے بے یقینی سے اسے دیکھا' مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ اب اس کو سی آف کرنے اس کے ساتھ گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ "مگر آئندہ آپ کوئی چیز نہیں لائیں گی یوں۔ اور مسز کاردار کو جواب نہ دیں۔ بس اگنور کریں۔ چند گارڈز مزید رکھ لیں۔ تنہا گھر سے نہ نکلیں۔" وہ ہدایات دے رہا تھا' انداز میں فکرمندی تھی۔ گیٹ تک وہ اس کے ساتھ گیا' پھر وہ چلی گئی تو فارس واپس گیا۔ ابھی تک سوچ میں گم تھا۔ جیسے افسردہ ہو۔

"تم اس کا تحفہ کیسے لے سکتے ہو؟ تم جانتے نہیں ہو اس کو؟" وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔ پہلی دفعہ وہ بے زار سا ہوا۔

"زمر' وہ اچھی لڑکی ہے' معافی مانگ رہی تھی' رویہ بدل لیا ہے اس نے اپنا' تو تم اس سے یوں بات کیوں کر رہی تھیں؟"

''روپیہ نہیں بدلا اس نے۔ تکنیک بدلی ہے۔ تمہیں نظر کیوں نہیں آ رہا؟''

''اچھا تو تکنیک بدل کے وہ کیا کر لے گی؟ وہ تمہارا اتنا نقصان نہیں کر سکتی جتنا میں اس کا کر چکا ہوں۔'' تلخی سے کہتا وہ وہیں بیٹھ گیا۔

''اس نے کوئی احسان نہیں کیا ہم پہ ہماری مدد کر کے۔ یہ سب اس کے باپ اور اس کے ہاشم کاردار کا کیا دھرا ہے۔ اس کو تو اپنے خاندان والوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے تھا۔ سارے نقصان ہمارے ہوئے ہیں۔ مجھے تو تم پہ حیرت ہو رہی ہے' تم.....''

''اگر تمہیں یہی باتیں کرنی ہیں تو میں جا رہا ہوں۔'' اکتاہٹ سے کہتے اس نے جیب سے چابی نکالی اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''تم اس کی وجہ سے مجھ سے لڑ رہے ہو؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا گلا رندھ گیا۔ وہ تیورا کے پلٹا۔

''میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت اس کو اپنا کمپیٹیشن سمجھنے کی بجائے اسے ایک انسان سمجھو جس نے ہماری مدد کی ہے' اور جس کو میں نے بہت سی مشکلوں میں ڈال دیا ہے۔ اور اب مجھے ہی اس کو اس سب سے نکالنا ہو گا۔ کھانے پہ میرا انتظار مت کرنا۔ میں دیر سے آؤں گا۔'' تلخی سے کہتا وہ مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ زمر یاسیت اور خفگی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اتنی جلدی تو بدلتے نہیں ہوں گے چہرے
گرد آلود ہیں آئینے انہیں دھویا جائے

شاپ میں کھڑی حنین بے دھیانی سے وال پیپرز دیکھ رہی تھی۔ سیم قریب میں کمپیوٹر شاپ کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کو اپنا ٹیب ٹھیک کروانا تھا (اسی لئے وہ بنا چوں چراں حنین کے ساتھ آ گیا تھا۔) صداقت باہر کار میں انتظار کر رہا تھا۔

حنین کی توجہ وال پیپر کی بجائے اندر کے گہرے منجدھار میں گول چکر کھا رہی تھی۔ بار بار وہ سر جھٹکتی تھی مگر سوچیں... اُف... ہاشم کاردار کی متوقع جرح کی آوازیں اس کے کانوں میں بار بار گونج رہی تھیں۔ وہ جتنا دھیان ہٹانے کی کوشش کرتی' اتنا وہ سر پہ سوار ہونے لگتا' یہاں تک کہ وہ اس کی خوشبو تک محسوس کرنے لگی تھی۔

کرنٹ کھا کے حنین مڑی تو گویا اگلا سانس لینا بھول گئی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاشم کاردار۔ مسکراتا ہوا تیار سا قیمتی پرفیوم کی خوشبو میں بسا۔ وہ واقعی اس کے سامنے تھا۔ حنین کے ہاتھ سے وال پیپر چھوٹ کر نیچے جا گرا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''کیسی ہو؟'' اس کا انداز اتنا نرم' اتنا مسحور کن تھا' وہ بنا پلک جھپکے' اس پہ نظریں جمائے کھڑی رہی۔ لب آدھے کھلے تھے۔ جسم برف ہو رہا تھا۔

''تمہارے سیل فون سے ٹریس کیا تمہیں' اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا جہاں تمہارے خاندان کے وہ سیلفش لوگ آس پاس نہ ہوں۔ پتہ ہے وہ سیلفش کیوں ہیں' پیاری لڑکی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے پوچھ رہا تھا۔

وہ سن نہیں رہی تھی بس اسے دیکھ رہی تھی۔ پیاری لڑکی کی صدائیں بار بار دیوار سے ٹکرانے لگی تھیں۔ پیاری لڑکی.... پیاری لڑکی....

"ان کو صرف اپنی فکر ہے۔ زمر اور فارس کو اپنی شادی پہ محنت کرنے کی فکر ہے۔ سعدی کو کیس جیتنے کی پڑی ہے تا کہ وہ سچا ثابت ہو وہ آگے بڑھ سکے۔ ایسے میں کسی کو بھی تمہاری فکر نہیں ہے۔ حنین کٹہرے میں کھڑی ہو' ایک دنیا اس کی باتیں سنے اس کی باتیں لکھے۔ وہ اخباروں کی سرخیوں کی زینت بنے۔ اس کا کردار تار تار ہو جائے' یہ سب باتیں ان کو ثانوی لگتی ہیں۔ ان کا انتقام پورا ہو جائے' باقی سب خیر ہے۔"

وہ موم کا مجسمہ بنے اس کو دیکھے گئی۔ ٹھنڈے پسینے سے اس کا وجود گویا موم کی طرح پگھل پگھل رہا تھا۔

"کسی کو تمہاری فکر نہیں حنین۔" وہ ہمدردی سے کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں کبھی سمن نہ کرتا۔ زمر غلط کہتی ہے کہ میں تمہیں سمن کرتا۔ میں بچوں سے نہیں مقابلہ کرتا۔ بچوں کو درمیان میں نہیں لاتا۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں جرح بھی نہیں کرنا چاہتا تمہاری۔ مگر زمر اور سعدی تمہیں درمیان میں لائے ہیں۔ انہوں نے تمہیں صلیب پہ چڑھایا ہے؟ تم اپنا سوچو حنین۔ میرا نہیں' کسی کا نہیں۔ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ دیکھو۔ شادی کیسے کرو گی؟ سر اٹھا کے کیسے جیو گی؟ لوگ میرے اور تمہارے افئیر کی باتیں زمانوں تک کریں گے' یہ سب جرح میں کہنا پڑے گا اور یقین کرو میں نہیں کرنا چاہتا یہ سب میں تو آگے بڑھنا چاہتا تھا' لیکن سعدی نے مجھے اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے۔ اب تم میری مدد کرو۔"

وہ سُن تھی۔ مجسمہ تھی۔ موم کی طرح پگھل رہی تھی اور وہ آگ کے شعلے کی طرح اس کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھا۔

"تم کورٹ میں کہو کہ تمہیں کچھ یاد نہیں۔ جو پولیس کو تم نے حلیمہ سے متعلق بیان دیا ہے نا' اس کو واپس لے لو پیاری لڑکی۔ تم اتنی ارزاں نہیں ہو کہ تمہیں کورٹ میں کوئی استعمال کرے۔ تم میرے خلاف کوئی بات مت کہو' میں جرح نہیں کروں گا۔ کوئی تمہارے کردار کے بارے میں بات بھی نہیں کر سکے گا۔ تمہیں صرف اتنا کہنا ہے کہ سعدی جھوٹ بول رہا ہے' اور تمہاری رائے میں شیرو ایسا نہیں کر سکتا۔ یوں تم محفوظ رہو گی' کیونکہ یہ عزت ایک دفعہ چلی گئی نا حنین تو واپس نہیں آئے گی۔"

ایک آنسو حنین کی آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ لڑھکا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میری بات سمجھ میں آئی ہے نا؟"

"جی!" اس نے خود کو کہتے سنا۔ "یہ عزت ایک دفعہ چلی گئی تو واپس نہیں آئے گی۔" وہ کسی روبوٹ کی طرح بولی تھی۔

"گڈ۔ تم جب کٹہرے میں کھڑی ہونا تو مجھے فیور دینا۔ میں تمہیں دوں گا۔ اور اپنے خود غرض خاندان سے ڈرنا نہیں۔ ان کو شرمندہ ہونا چاہیے' تمہیں نہیں۔ کیونکہ اگر میں نے اوسی پی صاحب والی باتیں جرح کے دوران کہہ دیں' اور یقین مانو میں نہیں کہنا چاہتا تو تمہارے خلاف انکوائری ہو گی۔ تم نے ابھی بی اے کیا ہے نا؟ ایف ایس سی کا رزلٹ کینسل ہو گا۔ تین سال تک تمہیں کوئی تعلیمی ادارہ داخلہ نہیں دے سکے گا۔ تین سال بعد تم دوبارہ سے ایف اے' بی اے کرو گی کیا؟ تین سال بعد سات سال پیچھے چلی جاؤ گی کیا؟ تم جس یونیورسٹی یا کالج میں جاؤ گی' وہاں بے عزت ہو کر ہو گی۔ سب تمہیں چیٹر کہیں گے' حقارت سے دیکھیں گے۔ اس لیے تمہیں اس وقت صرف اپنا سوچنا چاہیے۔ ہوں۔" وہ کوٹ کی نادیدہ شکن درست کرتا اس پہ ایک نرم سی آخری نظر ڈال کے مڑ گیا۔ سیلز مین اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ چلا

بھی گیا اور وہ جنوزبت بن کے کھڑی تھی۔موم کے قطرے پگھل پگھل کے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔آگ جا چکی تھی۔تپش باقی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اُبھرتے ڈوبتے سورج سے توڑلوں رشتہ،

میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں۔

وہ گھر آئی تو اس کا جسم یوں جل رہا تھا گویا ارد گرد ایک ہزار تنور جل رہے ہوں۔وہ لاؤنج میں خاموش بیٹھی زمر کے سامنے پل بھر کو رکی۔

"میں گواہی دوں گی' لیکن میں بس وہی کہوں گی جو میری مرضی ہو گی۔کوئی میرے منہ میں الفاظ نہیں دے گا۔آپ میں سے کوئی مجھے نہیں بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔میں وہی کہوں گی جو میرے لیے ٹھیک ہو گا۔" درد سے پھٹی آواز میں کہہ کر وہ آگے بڑھی تو دیکھا' سامنے سعدی کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں دکھ تھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم گواہی دو حنہ۔میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ تمہیں یوں اذیت دیں۔"

"تو پھر آپ کو یہ سب ہمارے سارے خاندان کو کچہری میں گھسیٹنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" شاکی انداز میں چیخ کر بولتی وہ دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

پھر کمرے میں آ کر وہ جو سر منہ لپیٹ کے لیٹی تو کتنے ہی گھنٹے نہ اٹھی۔مغرب کی اذانیں ہوئیں تو اٹھ کے نماز پڑھی اور پھر سے لیٹ گئی۔جسم بخار میں دہک رہا تھا۔آنکھوں سے آنسو ابل ابل کر گر رہے تھے۔کب تک وہ یوں سزا کاٹتی رہے گی ان کچی عمر کی پکی غلطیوں کی؟ خدایا وہ کیا کرے؟ عشاء بھی یونہی پڑھی اور پھر سے لیٹ گئی۔رات تاریک ہوتی گئی۔شہر اندھیرے میں ڈوبتا گیا۔جانے وہ کون سا پہر تھا جب اس نے محسوس کیا کوئی دروازے میں آ کھڑا ہوا ہے۔وہ فارس کی چاپ پہچانتی تھی مگر اسی طرح کروٹ لئے لیٹی رہی' ہلی تک نہیں۔وہ آگے آیا اور پائنتی پہ بیٹھا۔

"اگر تم نہیں دینا چاہتی گواہی تو مجھے بتاؤ۔ہم کوئی راستہ نکال لیں گے۔"

"پتہ ہے کیا ماموں۔" وہ اندھیر خلاء میں تکتی ہوئی عجیب خالی پن سے بولی تھی۔"میں سمجھتی تھی کہ میں ذہین ہوں۔کئی ممالک کے پاپ کلچر' ڈراموں اور کتابوں سے واقف ہوں تو عام لڑکیوں سے مختلف ہوں۔برتر ہوں۔مگر میں غلط تھی۔" گرم گرم آنسو ابل کے گالوں پہ لڑھکتے تکیے میں جذب ہونے لگے۔"ہم مڈل کلاس لڑکیاں جتنا پڑھ لکھ لیں' جتنا کمپیوٹر استعمال کر لیں' دنیا بھر کی سیاست پہ تبصرے کر لیں' ہم رہتی وہی مڈل کلاس ہی ہیں۔عام شکل وصورت کی بے بس لڑکیاں جن کو عزت کے نام پہ کوئی بھی بلیک میل کر سکتا ہے۔جن کی عزت ایک دفعہ چلی جائے تو اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ہم بہت بے چاری لڑکیاں ہیں فارس ماموں۔ہم کچھ نہیں کر سکتیں۔ہم ٹوٹل Failure ہوتی ہیں۔"

''جب میں جیل میں گیا تھا تو میں نے بہت سی باتیں سیکھی تھیں، جن کا مجھے زندگی میں پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔'' وہ دھیرے سے بولا تھا۔ ''میں نے سیکھا تھا کہ اگر کوئی آپ کے عقائد پہ حملہ کرے تو زبان سے جواب دو' اگر کوئی آپ کے جسم پہ حملہ کرے تو ہاتھ سے جواب دو' اگر کوئی آپ کے خلوص نیت پہ شک کرے تو اپنے اچھے عمل سے جواب دو' اگر کوئی آپ کی دیانتداری پہ انگلی اٹھائے تو دلائل سے جواب دو' لیکن..." وہ ٹھہرا۔ اندھیر کمرے میں اس کی آواز گونج گونج کر پلٹ پلٹ آتی تھی۔ ''لیکن اگر کوئی آپ کے کردار پہ' آپ کی عزت پہ حملہ کرے تو کوئی جواب نہ دو۔''

''تو پھر کیا کرو؟'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ چند لمحے کچھ نہ بولا پھر جب لب کھولے تو اس کی آواز بہت دھیمی اور سرد سی محسوس ہوئی تھی۔

''Then you make them bleed!''(تو ان کو تڑپا تڑپا کے مار دو۔)

وہ کب کمرے سے گیا' اسے پتہ نہ چلا۔ بس وہ گم صم سی بیٹھی رہی۔ پھر بدقت تمام وہ اٹھی اور باتھ روم جا کے وضو کیا۔ آنکھیں جل رہی تھیں' جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔ بمشکل دوپٹہ سر پہ لپیٹتی وہ کمرے میں آئی۔ جائے نماز بچھائی اور دو رکعت نفل کی نیت باندھی۔

''کیا ہم لڑکیاں ٹوٹل فیلئیر ہیں اللہ تعالیٰ؟'' سلام پھیر کے وہ دوزانو بیٹھی' دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے گم صم سی پوچھ رہی تھی۔ ''کیا ہم لڑکیاں واقعی اتنی بے بس اور لاچار اور بے چاری ہوتی ہیں؟ کیا عزت کے نام پہ کوئی بھی ہمیں بلیک میل کر سکتا ہے؟ کیا ہماری غلطیوں کی کہانیوں کے ''مرد'' کرداروں کے ہاتھوں میں ہماری عزت ہوتی ہے یا آپ کے ہاتھ میں؟ کیا آپ کی مرضی کے بغیر کوئی بھی کسی کو بے عزت اور ذلیل و رسوا کر سکتا ہے؟ مجھے بتایئے اللہ تعالیٰ۔ آپ کہتے ہیں نا کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں خیر معلوم کرے گا تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا (سورۃ الانفال: 70) تو اگر میرے اندر کوئی خیر ہے تو کیا میری عزت مجھے واپس مل سکتی ہے؟ کیا دنیا والوں کی نظر میں میرا پردہ رہ سکتا ہے کہ وہ تو واقف ہی نہیں ہیں' اور میرے گھر والے جو واقف ہیں' ان کی نظر میں پھر سے معتبر ہو سکتی ہوں میں؟ کیا سعدی کو جھوٹا کہنے کی بجائے کوئی اور راستہ ہے؟''

وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی' الجھ رہی تھی' تعجب کا شکار ہو رہی تھی۔ ہاں اب وہ رو نہیں رہی تھی۔

سیڑھیوں سے نیچے آ کے فارس اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ زمر جو بے مقصدی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تھی' اس کو نظر انداز کیے برش اٹھا کے بالوں میں چلانے لگی تھی۔ خفا نظریں آئینے پہ جمائے وہ لب بھینچے ہوئے تھی۔

''اہم!'' وہ ذرا سا کھنکھارا۔ انداز بے چارے شوہر والا تھا۔ زمر برش کرتی رہی۔ وہ اس کے قریب آیا اور سنگھار میز کے کنارے بیٹھا۔

''سوری۔ میں کچھ زیادہ ہی بول گیا۔'' ایک انگلی سے گردن کھجاتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''کیا اس نے گھر سے نکال دیا جو آپ کو بالآخر اپنے گھر کی یاد آئی؟'' وہ سلگتی نگاہیں اٹھا کے اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

''ادھر سے ملنے گیا تھا۔ سعدی کی ڈاکٹر کا پوچھنا تھا کہ وہ ملی یا نہیں۔ اس کے پاس نہیں گیا تھا۔''

''تو وہیں رہ جاتے' واپس آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' برش زور سے پٹخا تھا۔ اس کی وضاحت پہ بالکل یقین نہیں کیا۔

''آ گیا ہوں تو کیا گھر سے نکالو گی؟'' زمر نے جواباً محض سر جھٹکا۔ خوب غصہ آ رہا تھا اس پہ۔

''اچھا سنو۔'' وہ مصالحتی انداز میں اس کی طرف ذرا سا جھکا۔ نظروں کے حصار میں اس کا خفا چہرہ لئے مسکراہٹ دبائے بولا تھا۔ ''چلو ڈنر پہ چلتے ہیں۔''

''یہ ڈنر کا نہیں سحری کا وقت ہے۔'' وہ اسے گھور کے بولی تھی۔

''اب ایسی بھی کوئی رات نہیں بیتی کہ ایک آدھ ڈھابہ ہی نہ کھلا ہو۔''

''ہاں بس مجھ پہ پیسہ خرچ نہ کرنا۔ ڈھائی سو کی انگوٹھی دلانا' اور کھانا ڈھابوں سے کھلانا۔'' وہ مارے تاسف کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ فارس نے افسوس سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''تم ہمیشہ سے اتنی لالچی تھیں یا وکالت پڑھنے کے بعد ہوئی ہو۔''

''تم نا واپس اسی کے پاس چلے جاؤ۔''

''ارے یار نہیں جاتا میں اس کے پاس۔ میں تو عرصے سے اس کے گھر بھی نہیں گیا۔ اور وہ اس رات ڈنر پہ میں نہیں حنین گئی تھی' وہ ویڈیو بھی اس سے حنہ نے لی تھی۔ اب بس کرو وشک کرنا۔'' وہ مسکراہٹ دبائے صفائی دے رہا تھا۔

''ہاں ہاں' مجھے یقین آ گیا۔ ہونہہ۔'' اس نے بدقت چہرے کو ویسا ہی سپاٹ رکھا البتہ دل سے بوجھ سا اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

''اچھا اب موڈ تو ٹھیک کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو مجھے کچھ ہو جائے اور تم یہ وقت ضائع کرنے پہ پچھتاتی رہو۔'' وہ از راہِ مذاق کہہ رہا تھا مگر بالوں میں سے برش گزارتا اس کا ہاتھ کانپا۔ اس نے دہل کر فارس کو دیکھا۔

''تم کتنا فضول بولتے ہو۔''

''بس؟'' اسے مایوسی ہوئی۔ ''میں تو امید کر رہا تھا کہ تم ''میری عمر تمہیں لگ جائے'' جیسا مکالمہ بولو گی۔''

''کتنا شوق ہے تمہیں مجھ سے چھٹکارا پانے کا۔'' اسے از سرِ نو غصہ آنے لگا۔

''ہے تو بہت زیادہ' لیکن....'' اس نے برش بالآخر اس کے ہاتھ سے لے کر میز پہ رکھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔ ''لیکن تم اس بات کا یقین رکھو کہ موت کے علاوہ ہمیں کوئی چیز یا کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ساری کلفت' ساری تلخی زائل ہو گئی۔ اس کا مضبوط انداز.... پر یقین لہجہ.... وہ آنکھوں سے چھلکتا عزم.... بس اس سر کس بنی زندگی میں ایک یہی چیز تو اسے بہادر بنائے رکھتی تھی۔

''تم مجھ سے واقعی اتنی محبت کرتے ہو نا فارس!''

''ہوں!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اصلی والی محبت نا؟'' زمر نے ابرو اٹھایا۔

"نہیں۔ چائنہ والی۔" وہ جل کے بولا تو وہ ایک دم ہنس پڑی۔ ساری اداسیاں فضا میں گھل کے ختم ہو گئی تھیں جیسے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضمیر مرتا ہے احساس کی خاموشی سے،

یہ وہ وفات ہے جس کی خبر نہیں ہوتی۔

اس صبح ہاشم کاردار کے آفس میں ہو بالکل ساکن تھی۔ ایک ڈراؤنی سی خاموشی چھائی تھی اور ہاشم بالکل سانس روک کے بیٹھا سامنے میز پہ رکھے کاغذات کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سی سی ٹی وی سے نکالے گئے still امیج تھے اور رئیس ایک ایک کی تفصیل بتا رہا تھا۔

"نہ صرف فارس غازی نے سری لنکا جانے کے لئے ہارون عبید کا طیارہ استعمال کیا' بلکہ مِس آبداران کے ساتھ گئی تھیں۔ یہ دیکھئے۔ وہ تصاویر میں جس اپارٹمنٹ سے نکلتا دکھائی دے رہا ہے' وہ بھی آبدار عبید کے نام پہ ہے۔" ہاشم نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ وہ اس جگہ کو پہچانتا تھا۔

"گارڈ کمار کی موت سے پہلے آبدار صاحبہ سعدی سے ملنے گئی تھیں' اور اس سے بھی پہلے وہ پاکستان میں فارس غازی سے ملتی رہی تھیں' جس سے ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ....."

"وہ سرنج آبدار نے ہی سعدی کو دی تھی۔ میں سمجھ گیا۔ تھینک یو رئیس تم جا سکتے ہو۔" ایک دم خشک سے انداز میں کہتا وہ کاغذ سمیٹنے لگا۔ رئیس چپ ہو گیا اور پھر سر کو خم دے کر باہر نکل گیا۔

اب وہ کمرے میں تنہا تھا۔ وہ تنہائی جان لیوا تھی۔ وحشت سی وحشت تھی۔ دکھ سا دکھ تھا۔ وہ بار بار ایک ایک تصویر کو دیکھتا تھا۔ کبھی بے یقینی سے' کبھی ملال سے۔ کبھی آنکھوں میں کرب سمٹ آتا' کبھی غصہ۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔ بلڈ پریشر بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

"بھائی!" نوشیرواں کی آواز پہ وہ چونکا اور چہرہ اٹھایا۔ وہ جانے کب وہاں آکھڑا ہوا تھا۔ ہاشم نے ڈھیلے سے انداز میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ بیٹھا تو اس کا چہرہ بھی شدید اندرونی خلفشار کا شکار لگتا تھا۔

"بولو۔" وہ سنبھل کے پوچھنے لگا۔ پچھلے دو' تین ماہ سے وہ مقدمے میں یوں الجھے تھے کہ آپس میں اب نہ پیار رہا تھا نہ ماضی کے اختلافات۔ بس نارمل ہو گئے تھے دونوں۔

"میری وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ میری وجہ سے ہمارا خاندان اس اسکینڈل میں پھنسا ہوا ہے۔"

"بالکل ایسا ہی ہے۔ پھر؟"

"میں... میں اعتراف جرم کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے الفاظ تھے کہ کیا' ہاشم کرنٹ کھا کے سیدھا ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ندامت سے سر

جھکائے۔ ”میں خدا سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں سعدی سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں جج صاحب کو سچ بتا دینا چاہتا ہوں' میں....“ وہ فقرہ مکمل نہیں کر سکا۔ ہاشم کاردار نے پانی کا بھرا ہوا ٹھنڈا ٹھار گلاس اس کے منہ پہ پھینکا۔ ٹھنڈے یخ پانی نے اس کا چہرہ گردن اور بالوں کو نہلا دیا تھا۔ اس نے ہکا بکا سا چہرہ اٹھایا۔

”اگر نیند سے آنکھ کھل گئی ہو تو میری بات سنو۔“ برہمی سے کہتا وہ آگے کو ہوا۔

”تم نے سعدی کے ساتھ یہ اس لئے کیا کیونکہ وہ یہ ڈیزرو کرتا تھا۔ کیونکہ تم ہمیشہ سے ایک نالائق اور کم عقل لڑکے تھے مگر تم میں بھی کچھ کوالٹیز تھیں۔ ان دونوں بہن بھائی نے تمہیں ہمیشہ ڈی گریڈ کیا۔ تمہارے راز کھولے' تمہیں احساسِ کمتری کا شکار کیا۔ ان کو وہ ملا جو انہوں نے بویا تھا۔ وہ اپنے احساسِ برتری سے نکل پاتے تو ان کو سمجھ آتا کہ کسی کا اتنا مذاق نہیں اڑاتے جتنا وہ تمہارا اڑاتے تھے۔ تم نے نوشیرواں اگر کچھ غلط کیا ہے تو اس لئے کہ انہوں نے تمہارے ساتھ غلط کیا تھا۔“

”میں اس سارے کرب سے نکلنا چاہتا ہوں بھائی۔ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہو رہا۔“ وہ دبا دبا سا چلایا تھا۔ گیلے چہرے پہ آنسو کہاں تھے اندازہ نہ ہوتا تھا۔

”چپ کر کے میری بات سنو۔“ ہاشم اٹھا' میز پہ ہتھیلیاں رکھے اس کی طرف جھکا۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے غرایا۔ ”میں نے اغوا کیا اسے میں نے قید میں رکھا اسے۔ پھر وہ تمہیں کیوں نامزد کر رہا ہے؟ وہ لوگ تم پہ غلط الزام لگا رہے ہیں اور میں تمہیں وہاں سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ میں ہوں جو تمہیں اس سے نکال لوں گا۔“

”لیکن اگر میں ان سے معافی مانگ لوں؟ اگر خدا ان لوگوں کے دل میں میرے لئے رحم....“

”ڈیم اِٹ!“ ہاشم نے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ”انہوں نے تمہیں معاف کرنا ہوتا تو یہ سب کرتے ہی کیوں؟ وہ تمہیں پھانسی پہ لٹکا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ انصاف نہیں چاہتے۔ وہ انتقام چاہتے ہیں۔“ پھر وہ واپس کرسی پہ بیٹھا' چند ٹھنڈے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا۔ اور بولا۔ ”دیکھو شیرو۔ تمہارے اعتراف سے ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ تم یاد کرو جیل کے وہ چند دن جو تم گزار کے آئے ہو۔ تم نہیں سہار سکو گے۔ تم پھندے سے پہلے ہی مر جاؤ گے۔ تم میرے بھائی ہو شیرو میں تمہیں مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گا۔“ اس کا لہجہ آخر میں بالکل ٹوٹ سا گیا۔ شیرو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے کرب سے دونوں کنپٹیاں تھامیں۔

”میں کیا کروں بھائی؟“

”تم اپنے بھائی پہ بھروسہ رکھو۔ مجھے اپنا کیس لڑنے دو۔ ان لوگوں نے ہمارے خاندان کو مذاق بنا دیا ہے۔ میں ان کو مذاق بنا دوں گا۔ تم دیکھنا میں عدالت میں کیا کرتا ہوں اس کے خاندان کی عورتوں کے ساتھ۔“ ایک نظر اس نے سامنے رکھے کاغذات کو دیکھا۔ آنکھوں سے نفرت جھلک رہی تھی۔ (اس نے مجھ سے وہ عورت چھین لی جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ میں اس سے وہ عورت لے لوں گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔)

"میں کیا کروں بھائی!" نوشیرواں بھیگی آنکھوں کے ساتھ نفی میں سر ہلاتا پوچھ رہا تھا۔

"تم خاموش رہو۔اور مجھے میرا کام کرنے دو۔" وہ پورے وثوق سے بولا تو شیرو نے شکستگی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔وہ عجیب دوراہے پہ آکھڑا ہوا تھا جہاں ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا دکھائی دیتا تھا۔

ان سے کئی کوس دور ایک ہوٹل کے ڈائننگ ایریا میں زرد روشنیوں نے پرفسوں خوابناک سا ماحول بنا رکھا تھا۔ایسے میں ایک محفل کے گرد دو مرد اور تین خواتین بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔سربراہی کرسی پہ جواہرات بیٹھی تھی اور مسکراتی ہوئی بظاہر دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی مگر گاہے بگاہے موبائل کی گھڑی پہ نظر ڈالتی تھی۔انکھیوں سے اسے قریب کھڑے گارڈز بھی دکھائی دے رہے تھے۔

دفعتاً جواہرات کی آنکھیں چمکیں۔دور سے ویٹر دھوئیں اڑاتی ٹرے اٹھائے چلا آرہا تھا۔وہ مسکرا کے اب ساتھ والی خاتون سے بات کرنے لگی۔جیسے ہی ویٹر قریب آیا اور تیزی سے ان کے قریب جھک کے ٹرے کے لوازمات نیچے اتارنے چاہے' جواہرات نے اپنا پیر اس کے راستے میں رکھا۔وہ جو عادتاً تیز تیز کام کر رہا تھا' غیر متوقع رکاوٹ سے اس کا پیر رپٹا اور ٹرے ٹیڑھی ہوئی' وہ سنبھل جاتا مگر جواہرات چلا کے کھڑی ہوئی اور یوں گریوی کا باؤل اس کے کپڑوں پہ لڑھک گیا۔

اگلے چند لمحے وہاں عجب کہرام سا مچا رہا۔جواہرات کا سفید لباس داغدار ہو گیا تھا اور وہ چلا چلا کر اس غریب لڑکے کی بے عزتی کر رہی تھی۔دوسرے ویٹرز اور گارڈز ٹوٹی بکھری چیزوں کو درست کرنے اس طرف لپکے تھے۔لڑکا سہم کے دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ایسے میں وہ نیپکین سے اپنے چہرے کے چھینٹے صاف کرتے ہوئے گارڈ سے غرا کے بولی تھی۔

"میں جب تک یہ صاف کر کے نہ آؤں اس ویٹر کو بھاگنا نہیں چاہیے یہاں سے۔تم اس کو سنبھالو اور مینیجر کو بلا کے لاؤ۔کیا مہمانوں کو اذیت دینے کے لئے کھول رکھا ہے یہ ہوٹل؟" وہ غصے میں بڑبڑاتی پرس اٹھائے آگے بڑھ گئی اور گارڈز فوراً سے انہی کاموں میں لگ گئے جن کا وہ حکم دے کر گئی تھی۔

لیڈیز ریسٹ روم کا پہلا دروازہ کھولا تو سامنے قطار در قطار سنک نظر آرہے تھے اور ان کے پیچھے شیشے کی بڑی سی دیوار۔اور وہاں وہ کھڑا تھا۔پی کیپ پہنے بار بار گھڑی دیکھتا۔

"او احمر۔شکر تمہیں میرا پیغام مل گیا تھا۔" وہ گہری سانس لے کر اندر آئی تو احمر نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور ہینڈل میں کچھ پھنسا دیا۔پھر متعجب سا اس کی طرف پلٹا۔

"مسز کاردار! اتنا بھی کیا کہ آپ مجھے کال تک نہیں کر سکتی تھیں؟"

"میں خطرہ نہیں لے سکتی تھی۔ابھی زیادہ وقت نہیں ہے۔ہاشم مجھ پہ شک کرنے لگا ہے'میں اسے مزید خود سے متنفر نہیں کر سکتی۔" وہ تیز تیز بے ربط سا بول رہی تھی۔

"او کے او کے۔آرام سے بتائیں۔کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ کی؟" وہ رسان سے اسے تسلی دینے لگا۔

"تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے۔ یہ میرے ایک خفیہ اکاؤنٹ کی تفصیلات ہیں۔ اس میں ایک لاکر ہے جس میں کچھ زیور ہے اور بہت سی رقم۔ تمہیں وہ سب کچھ میرے پاس پہنچانا ہے۔" وہ اب چند کاغذات نکال کے اسے دکھا رہی تھی۔ احمر غور سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ واپس آئی تو لباس کا داغ ہنوز موجود تھا البتہ چہرہ تر و تازہ اور دھلا ہوا لگتا تھا۔ مسکرا کے وہ واپس بیٹھی تو دیکھا' سامنے مینیجر' عملے کے چند نمائندے اور گارڈز کھڑے تھے۔ متعلقہ ویٹر کو انہوں نے پکڑ رکھا تھا۔ مینیجر سینے پہ ہاتھ رکھے ندامت سے بار بار معذرت کر رہا تھا۔

جواہرات ٹیک لگا کے بیٹھی اور فخر و غرور سے اس غریب نوجوان کو دیکھا۔

"اس نے نہ صرف میرا لباس خراب کیا' بلکہ میری دوپہر برباد کر دی۔ اس کو کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔ نہ صرف اس کو نوکری سے فارغ کیا جائے بلکہ یہ ایک بھاری جرمانہ بھی بھرے گا۔"

"مجھے معاف کر دیں' میری غلطی نہیں ہے' میرے آگے..." وہ نوجوان بے بسی سے کہنا چاہتا تھا مگر گارڈز اس کو کچھ بولنے سے پہلے ہی خاموش کرا دیتے تھے۔ جواہرات اب مزید حکم صادر کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر شخص با اصول ہے ہر شخص با ضمیر

پر اپنی ذات تک ، ذاتی مفاد تک!

کمرہ عدالت کی اونچی کھڑکی سے مئی کا سورج اندر جھانک رہا تھا۔ جج صاحب اپنی کرسی پہ قدرے ترچھے ہو کر بیٹھے' رخ کٹہرے کی جانب کیے ہوئے تھے جہاں نیاز بیگ موجود تھا اور اس کے سامنے... نشیب میں... زمر کھڑی تھی۔ پیچھے بیٹھا سعدی فکرمندی سے گواہ کو دیکھ رہا تھا۔ ہاشم البتہ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے ہوئے تھا۔ آج وہ چشمے والا آدمی نہیں آیا تھا اس لئے پیچھے بیٹھے فارس کی توجہ کا مرکز صرف نیاز بیگ تھا۔

"کیا یہ درست ہے کہ ہسپتال میں سعدی یوسف کا اسٹریچر لے کر جانے والے آپ ہی تھے؟" زمر پوچھ رہی تھی۔

"جی ہاں۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ نے سعدی یوسف کے اغوا کا الزام قبول کیا تھا؟"

"جی۔"

"آپ نے سعدی یوسف کو قتل کرنے کا ارادہ کرنے کا الزام بھی اپنے سر لیا تھا لیکن استغاثہ ایک دفعہ پھر آپ سے حلف دلوا کر... پوچھ رہا ہے۔ کہ نیاز بیگ صاحب..." زمر ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔ "کیا آپ اپنے بیان پہ قائم ہیں؟"

عدالتی کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سناٹا در سناٹا۔ نیاز بیگ نے ہاشم کو دیکھا' پھر پیچھے بیٹھے فارس کو۔ دونوں اسے مختلف قسم کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ زمر کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں سچ بولوں گا۔ میں اپنے بیان پہ قائم ہوں۔ میں نے ہی سعدی یوسف کو گولیاں ماری تھیں۔''

''واؤ!'' سعدی نے بڑبڑا کے سر جھکا تھا۔ ہاشم نے مسکرا کے زمر کو دیکھا جس کی یہاں سے پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

''آپ کو یقین ہے کہ آپ ہی سعدی کے ساتھ اس زیرِ تعمیر گھر میں اس رات تھے؟''

''جی۔ میں ہی تھا۔'' ہاشم نے مڑ کے فارس کو دیکھا۔ وہ بالکل خاموش اور سپاٹ سا دکھائی دے رہا تھا۔

''عدالت کو بتائیے کہ آپ کا سعدی یوسف سے کس بات پہ جھگڑا ہوا تھا؟''

''یہ لڑکا میرے سے کوکین خریدتا تھا' کافی دن سے پیسے پورے نہیں دیے تھے اس نے۔ میں نے کہا بدلے میں اس کا ریسٹورانٹ قسطوں پہ خرید لوں گا' یہ اس پہ مجھ سے لڑنے جھگڑنے لگا۔ اس نے مجھے گالی دی تھی۔ پھر میں نے....'' وہ وہی واقعہ دہرانے لگا۔

''اسے ایمبولینس میں ڈال کے کوڑے کے ڈھیر پہ پھینکنے کے بعد آپ نے کیا کیا نیاز بیگ صاحب؟''

''میں اپنے گھر گیا۔ کپڑے بدلے۔ اس کا موبائل جو اٹھایا تھا وہ اسی رات اپنے دوست کو بیچ دیا اس کی دکان اسی علاقے میں ہے جہاں آپ کا گھر ہے۔''

''مگر سعدی کے فون کے سگنل اس رات وہاں ملے تھے جہاں قصرِ کاردار واقع ہے۔''

''میرے دوست کی دکان بھی اسی علاقے میں ہے۔'' نیاز بیگ نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔ زمر نے ہاشم کو دیکھا اور ستائشی انداز میں سر کو خم دیا۔ ''امپریسیو ونیس پریپ!'' اس نے مسکرا کے تعریف وصول کی۔ زمر فوراً اسے واپس گھومی۔

''اور اس فون کا ماڈل کون سا تھا؟''

لمحے بھر کو کمرے میں سکوت چھا گیا۔ ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''آبجیکشن یور آنر۔'' ہاشم تیزی سے اٹھا۔ ''اس بات کو ایک سال گزر گیا ہے' اب....''

''اوور رولڈ۔ کاردار صاحب بیٹھ جائیں' اور گواہ کو جواب دینے دیں۔'' جج صاحب نے ناپسندیدگی سے اسے ٹوکا۔

''وہ سیم سانگ کا اسمارٹ والا فون تھا۔ جلدی میں پچیس ہزار کا بکا تھا۔ ایس سکس تھا۔'' نیاز بیگ فر سے بولا۔

''اور اس کا رنگ کیا تھا؟'' وہ ترنت بولی

''سیاہ رنگ تھا۔'' وہ اعتماد سے بولا۔ (اُف) نوشیرواں نے سر گرا دیا۔

زمر نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ جج صاحب کے سامنے رکھے۔ ''یور آنر سعدی یوسف کے زیرِ استعمال ایک ہی فون تھا' اور وہ آئی فون تھا' سفید رنگ میں۔ یہ اس فون کی خریداری کی سلپ ہے' اور یہ ابتدائی ایف آر آئی کی کاپی ہے جس میں ہم نے فون کا رنگ اور ماڈل مینشن کیا تھا۔ استغاثہ عدالت سے درخواست کرتا ہے کہ نیاز بیگ کی گواہی پہ یقین نہ کیا جائے کیونکہ جس فون کے پیچھے سعدی کو مارنے اور وہ بھی دو

ڈھائی لاکھ کے امپورٹڈ پستول سے مارنے کا یہ دعویٰ کر رہا ہے' وہ فون اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"یور آنر وہ ایک عام آدمی ہے۔" ہاشم تیورا کے اٹھا۔ "عام آدمی نے سیم سانگ اور آئی فون دیکھے تک نہیں ہوتے' اور اس بات کو ایک سال گزر چکا ہے۔"

"کاردار صاحب۔" زمر مسکرا کے اس کی طرف گھومی۔ "آپ بہت خاص آدمی ہیں بڑے آدمی ہیں۔ امیر۔ بادشاہ لوگ۔ کبھی اپنے محل سے نکل کر اس ملک کی سڑکوں پہ دیکھیں۔ ماشاءاللہ سے روٹی ہو یا نہ ہو' ہر دوسرے عام آدمی کے پاس یا تو اسمارٹ فون ہے یا سیل فون کے متعلق تمام اپ ڈیٹس ہیں۔ خود نیاز بیگ کی گرفتاری کے وقت ان کے پاس سے دو قیمتی اسمارٹ فونز نکلے تھے۔ یو نو واٹ...." وہ نیاز بیگ کی طرف گھومی جواب جلدی جلدی وضاحت دے رہا تھا۔ "آپ موقع پہ نہ تھے نہ آپ نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا تھا۔ مجھے مزید کوئی سوال نہیں پوچھنا۔"

اب ہاشم اور زمر ایک ساتھ بول رہے تھے۔ مچھلی منڈی کی سی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسے میں سعدی پیچھے اس کے ساتھ آ بیٹھا۔

"تھینک یو۔" اس نے فارس کا شکریہ ادا کیا۔

"یور ویلکم۔" اس نے سعدی کا کندھا تھپتھپایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ادھر زمر اب اگلی تاریخ مانگ رہی تھی تاکہ حنین یوسف کو پیش کر سکے جو ناسازی طبع کی وجہ سے آج پیش نہیں ہو سکی تھی۔ نیاز بیگ کے چہرے کے سارے رنگ اڑ چکے تھے اور وہ بار بار گھبراہٹ سے خود کو گھورتے ہاشم کو دیکھتا تھا۔ اسے اب ہاشم سے کون بچائے گا' یہ سوچ جان لیوا تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مستقل صبر میں ہے کوہ گراں

نقشِ عبرت صدا نہیں کرتا!

فوڈ لی ایور آفٹر شام کے نیلگوں اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ ندرت کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کر فون پہ جھنجھلا کر کسی وینڈر سے کچھ کہہ رہی تھیں' جب ان کی نگاہ دروازے پہ پڑی اور لمحے بھر کے لئے وہ منجمد ہو گئیں۔

چوکھٹ میں ہاشم کاردار کھڑا تھا۔ اپنے تھری پیس کی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ مسکراتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ ندرت نے فقرہ سست روی سے مکمل کیا۔ وہ قدم قدم چلتا آگے آیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ان کے بالکل ساتھ سے گزرا تھا وہ۔ ان کو نظر انداز کر کے۔ وہ پلٹ کے اسے جاتے دیکھنے لگیں۔ وہ واقف تھا کہ زمر کہاں ملے گی مگر پہلی دفعہ آنے کے باعث گردن گھما گھما کے وہ ریسٹورانٹ دیکھ رہا تھا۔ ندرت کی نگاہوں نے تب تک اس کا پیچھا کیا جب تک وہ اوپری ہال کے دروازے کے پیچھے گم نہ ہو گیا۔

زمر اپنی مخصوص میز کرسی پہ موجود تھی۔ ٹیبل لیمپ جلا ہوا تھا' چھت پہ لگا فانوس بھی روشن تھا' اور وہ کہنیاں میز پہ جمائے کام کر رہی تھی جب دروازہ کھلنے کی آہٹ پہ آنکھیں اٹھائیں۔ ہاشم کو وہاں دیکھ کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ در آئی۔ وہ مسکراتا ہوا "گڈ ایوننگ۔" کہتا سامنے آیا

اور کرسی کھینچی۔

''آیئے کاردار صاحب۔ بیٹھئے۔ کیا خدمت کر سکتی ہوں میں آپ کی۔'' وہ بظاہر خوش دلی سے بولتی قلم بند کر کے پیچھے ہو بیٹھی۔

''پہلے تو چائے منگوائیں' لیکن بغیر شوگر کے۔''

زمر نے انٹرکام اٹھایا اور بولی۔ ''جنید' اوپر دو کافی بھیجیں۔'' اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ گھنگریالے بال اونچی پونی میں باندھے وہ کورٹ کے صبح والے سفید کپڑوں میں ملبوس تھی۔ (کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔) باہم پھنسے ہاتھوں میں نیلے پتھر والی انگوٹھی دمک رہی تھی۔

''اچھا ہے ریسٹورانٹ۔'' وہ ستائشی انداز میں سر کو خم دے کر کہہ رہا تھا۔ ''انٹیریئر اچھا ہے' ٹریڈیشنل ہے۔ تھوڑا سا ماڈرن ٹچ بھی آرہا ہے جو کہ نہیں آنا چاہیے' لیکن خیر ہے۔ وال کلر بدلنا چاہیے۔''

''ایک دفعہ کیس سے فارغ ہو جائیں' پھر ری ماڈلنگ کریں گے اس کی۔''

''اوہ زمر!'' وہ افسوس سے گہری سانس لے کر بولا۔ ''I miss old times'' آواز میں ملال بھی تھا۔ اس پہ نگاہیں جمائے وہ یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آپ ڈی اے تھیں' سوری پراسیکیوٹر۔ میں آپ کے آفس میں آتا تھا' ہم ایک ساتھ چائے پیتے تھے' بہت سے کیسز کی ڈیل فائنل کرتے تھے' حکومت کا وقت اور پیسہ بچاتے تھے۔ اچھے دن تھے وہ۔''

''آپ کو کبھی افسوس ہوا ہاشم؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''جو آپ نے میرے ساتھ کیا' اس پہ؟''

''بہت زیادہ!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے بیٹھا' وہ یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے زندگی میں سب سے زیادہ ملال اسی بات کا ہے' میں نے آپ سے وہ خوشی لے لی جو مجھے سونیا کو پانے سے ملی تھی۔ آئی ایم سوری' زمر!''

''بہت شکریہ۔ خیر۔ یہ اچانک آپ کیوں آئے ادھر؟'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''میں کافی بور ہو چکا ہوں ٹرائل سے۔'' اس نے تھوڑی پہ ناخن رگڑتے ہوئے سوچنے والا انداز اپنایا۔

''یا شاید چیزیں آپ کے خلاف جانے لگی ہیں۔''

''ڈیل کر لیتے ہیں زمر! اس کیس کو ختم کر دیتے ہیں۔ چلیں' صلح کرتے ہیں۔''

''مجھے سوچنے دیں۔'' زمر نے کنپٹی پکڑ کے سر جھکا کے آنکھیں بند کیں' پھر دو سیکنڈ بعد ہاتھ نیچے گرایا اور آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ ''میں نے بہت سوچا' مگر نہیں۔ میں اس کیس کو جیتنے میں انٹرسٹڈ ہوں۔''

''میں دیت دینے کو تیار ہوں۔ خون بہا۔ name a price''

''جتنی آپ دے سکتے ہیں اس سے دگنی رقم میں آپ کو دیتی ہوں' بدلے میں نوشیرواں کو ہمارے حوالے کر دیں۔''

''صرف شیرو کیوں؟ میں کیوں نہیں؟''

''اس کا جواب میں فیصلہ آنے کے بعد دوں گی۔ اور کچھ کہنا ہے آپ نے؟''

"زمر میں ہار نہیں رہا۔" وہ سمجھانے والے انداز میں آگے کو ہوا اور ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "میں جیت جاؤں گا۔ آپ کے پاس ایک بھی کریڈیبل گواہ نہیں ہے۔ لیکن.... فیصلہ آنے تک آپ لوگ بہت کچھ کھو چکے ہوں گے۔ چاہے وہ عزت ہو، نیک نامی ہو یا جان ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کا مزید نقصان کروں۔"

"اگر آپ کا دل اتنا ہی افسردہ رہتا ہے ہمارے مستقبل کا سوچ سوچ کے تو آپ ہمارا نقصان کرنے کا سوچتے ہی کیوں ہیں؟ یا شاید یہ باتیں کہہ کر آپ خود کو تسکین دیتے ہیں، کہ میں کتنا اچھا ہوں بس یہ لوگ مجھے برا کرنے پہ مجبور کر رہے ہیں۔"

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ "آپ نہیں مانیں گی؟"

"آپ کو میرا جواب معلوم ہے۔ اور آپ اس ڈیل کے لئے یہاں آئے بھی نہیں۔ کیوں نا اب آپ وہ بات کریں جس کے لئے آپ یہاں آئے تھے۔"

ہاشم مسکرا کے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "میں نے آپ کو ہمیشہ بہت admire کیا ہے۔ گو کہ آپ کے پیچھے آپ کو گھمنڈی اور مغرور کہتا رہا ہوں میں، مگر آپ کے ساتھ کام کر کے اچھا لگتا ہے مجھے۔ میں یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ میں ان اچھے پرانے دنوں کو کبھی کبھی مس کرتا ہوں۔ میں چاہتا تھا ایک آخری بار ان دنوں کی یاد تازہ کروں۔ شاید پھر دوبارہ آپ کے ساتھ اس طرح بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔"

"کیا آپ مجھے قتل کرنے جا رہے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں کرنا چاہتا زمر۔ آپ مجھے مجبور کریں یہ الگ بات ہے۔ آپ کی کافی نہیں آئی!" وہ اٹھتے ہوئے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے بولا تھا۔ چہرہ پرسکون تھا۔ اور آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

"جب میں جنید کو دو کافی لانے کا کہتی ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ٹھیک دس منٹ بعد دروازے پہ آ کر کہے کہ میرے چند اہم مہمان آئے ہیں تا کہ میں جلدی جان چھڑا سکوں۔" تبھی دروازہ کھلا اور جنید نے اندر جھانکا۔ "میم' آپ کے مہمان آئے ہیں۔"

زمر نے مسکرا کے ابرو اچکا کے ہاشم کو دیکھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں آپ کو مس کروں گا۔" اس کی آواز میں کچھ ایسی ٹھنڈک سی تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ مگر بظاہر مسکراتی رہی۔ "اور کچھ؟"

ہاشم نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا اور اس کے سامنے رکھا۔

"کچھ دن سے میں اپنی ماں کی کی گئی تمام فنانشل transanctions کا حساب کتاب کر رہا تھا تو فارس کی دوسری گرفتاری کے وقت' جب آپ اس کا کیس لڑ رہی تھیں' مجھے چند بے ضابطگیاں ملیں۔ معلوم کروانے پہ علم ہوا کہ.... خیر جو علم ہوا وہ آپ کے ڈاکٹر نے اس کاغذ پہ لکھ دیا ہے۔ میں اس سب سے ناواقف تھا۔ پھر بھی معذرت کرتا ہوں۔ اور صرف یہ چاہتا ہوں کہ جدا ہونے سے پہلے آپ اپنے بارے میں ساری حقیقت جانتی ہوں۔" لفافہ رکھ کے وہ اسے چونکتا چھوڑ کے مڑ گیا۔ دروازے تک پہنچ کے وہ مڑا۔

''taupe۔ان دیواروں پہ taupe کلر کا پینٹ ہونا چاہیے۔'' خلوص سے مشورہ دیا اور باہر نکل گیا۔ زمر تیزی سے لفافہ چاک کر رہی تھی۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے تھے اور لب بھنچے ہوئے تھے۔

ندرت ابھی تک کاؤنٹر کے قریب کھڑی تھیں۔ بس چپ سی۔ وہ ان کے قریب سے گزرنے لگا تو رکا۔

''آپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو عدالت کی بھینٹ نہ چڑھائیں' اس کی عزت ایک دفعہ چلی گئی نا تو واپس نہیں آئے گی۔'' نرمی سے ان کو دیکھ کر دھیرے سے بولا تھا۔ ندرت کی آنکھیں اسی طرح اس پہ جمی رہیں۔

''اکثر رات کو تسبیح پڑھتے پڑھتے میں سوچتی ہوں تمہارا انجام کیسا ہوگا' ہاشم۔ پھر میں کوشش کرتی ہوں کہ اس انجام کی نسبت سے تمہارے لئے بد دعا کروں' مگر نہیں کر پاتی۔ تمہاری سب سے بڑی سزا پتہ ہے کیا ہونی چاہیے؟ تمہیں ہدایت مل جائے' اور پھر تم ساری زندگی اپنے گناہوں کو یاد کر کے پچھتاتے رہو۔''

''تھینک یو۔ واٹ ایور!'' وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ ریسٹورانٹ کے مہمان مڑ مڑ کے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ستائش سے۔ مرعوبیت سے۔ تحیر سے۔ سب کی نظریں مختلف تھیں۔ مگر پھر سب کی نظریں ایک سی ہوتیں تو یہ دنیا تو جنت ہوتی!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اجاڑ بن میں اترتا ہے ایک جگنو بھی

ہوا کے ساتھ کوئی ہم سفر بھی آتا ہے

سڑک رات کے اندھیرے کے باعث تاریک بھی تھی مگر جا بجا لگے اسٹریٹ پولز کی تیز روشنی کے باعث روشن بھی تھی۔ وہ سامنے دیکھتا توجہ سے ڈرائیو کر رہا تھا جب موبائل اسکرین چمکی۔ فارس نے مصروف انداز میں اسے اٹھایا' مگر اگلے ہی لمحے تیزی سے بریک پہ پاؤں رکھا۔ آبی نے لکھا تھا۔

''ہاشم نے مجھے یہ تصویر بھیجی ہے۔ ساتھ لکھا ہے He cannot protect his women۔ میں کیا کروں؟'' اور نیچے تصویر میں وہ دونوں... فارس اور آبی... ائیر پورٹ سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ فارس نے آنکھیں بند کیں۔ (میں نے اس لڑکی کو کتنا نقصان پہنچا دیا۔ اُف) پھر وہ جلدی جلدی لکھنے لگا۔

''کہاں ہیں آپ؟ میں آ رہا ہوں۔''

قریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ ہارون عبید کی رہائشگاہ میں بنے لان میں کھڑا تھا۔ سامنے اداس نظر آتی آبدار موجود تھی' اور وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بتا رہا تھا۔

''میں نے آپ کی سیکیورٹی ٹیم ری اسمبل کر دی ہے۔ آپ کے فون میں ایک ایپ بھی ڈال دی ہے جس کے ذریعے آپ جہاں بھی ہوں گی' مجھے خبر ملتی رہے گی۔''

آبدار نے اثبات میں سر ہلایا۔ نگاہیں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"میں نے آپ کو اس مصیبت میں ڈالا ہے' میں نکال بھی لوں گا۔ ڈونٹ وری۔"

"اگر اس نے مجھ سے کچھ پوچھا تو؟" وہ ڈری ہوئی نظر آتی تھی۔

"تو سارا الزام میرے اوپر ڈال دیجئے گا۔ میں نے آپ کے والد کی زندگی کو نشانہ بنا کر آپ کو بلیک میل کیا۔ کچھ بھی کہہ دیجئے گا۔ مگر یہ نہیں کہنا کہ آپ نے اپنی خوشی سے سب کیا۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"میں آپ پہ الزام ڈال دوں؟ اتنی خود غرض لگتی ہوں میں آپ کو؟"

"بس وہی کریں جو میں نے کہا ہے۔ مجھ پہ الزام ڈالیے گا۔ بس۔" وہ ہاتھ اٹھا کے قطعیت سے کہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں عجیب بے بسی بھری فکرمندی بھی تھی۔

"وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا فارس۔ اس نے آپ سے منسوب عورتوں کی بات کی ہے۔ میں تو آپ سے منسوب نہیں ہوں۔"

"جو بھی ہے۔ میں اس دفعہ اس کو اپنے سے جڑے لوگوں کو نقصان نہیں دینے دوں گا۔" اس کی آواز میں برہمی در آئی۔

آبدار ہلکا سا مسکرائی۔ (تو یہ تھی فارس غازی کی کمزوری جس پہ وہ دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کی حمیت۔ بے بسی کا وہ احساس کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکا تھا پہلے۔)

"کاش میرے بابا بھی آپ جیسے ہوتے۔ اپنی عورتوں کے لئے اتنے ہی کیئرنگ ہوتے۔ جبکہ وہ تو اندر بیٹھے اس بات پہ خوش ہیں کہ مجھے آپ کی شکل میں ایک باڈی گارڈ مل گیا۔ اب وہ اس بات کو بھی کسی طرح ہاشم پہ دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال کریں گے۔"

فارس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے پھر بند کر دیے۔ آبدار کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ہاں وہ سب سچ ہے۔" وہ چونکا۔

"میں نے تو کچھ نہیں پوچھا۔"

"مگر پوچھنا تو چاہتے تھے نا۔ بیٹھئے میں بتاتی ہوں۔" اس نے لان چیئر کی طرف اشارہ کیا تو وہ دھیرے سے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ وہ ہر آخری موڑ پہ ایک نئی سڑک کھول دیتی تھی اور وہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھنے پہ مجبور تھا۔

اب وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی اور نظریں کیاریوں میں لگے پھولوں پہ جمائے ہوئے تھی۔

"وہ اسکینڈل سچا ہے۔ میری ماں کے بارے میں مسز کاردار نے خبریں چھپوائیں تھیں اخبار میں۔ کہ وہ فلاں شخص کے ساتھ۔" اس نے تکلیف سے سر جھٹکا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ "پھر بابا نے میری ماں کو قید کر دیا۔ کولمبو کے اسی تہہ خانے میں۔ کرنل خاور نے اس جیل کو بنایا تھا اور اس میں جھول رکھے تھے تا کہ ضرورت پڑنے پہ وہ ان کو نکال کر لے جا سکے۔ ہم لوگ کراچی چلے گئے۔ بابا نے سیاست ترک کر دی۔ ہم گمنامی کی زندگی رہنے لگے۔ فون نمبرز بدل دیے۔ سوشلائزنگ چھوڑ دی۔ مگر ماں کو نہیں چھوڑا بابا نے۔ اس کے سوئس اکاؤنٹ میں

کافی رقم پڑی تھی۔ بلیک منی جو لانڈر کر کے ادھر بھیجی گئی تھی۔ مگر ماں کو پتہ تھا کہ جس دن اس اکاؤنٹ کا کوڈ ان کو دے دیا' یہ لوگ ان کو مار دیں گے۔ انہوں نے ہر تشدد سہا مگر اکاؤنٹ نہیں دیا۔ پھر ایک دن خاور ان کو نکال کر لے گیا مسز جواہرات کے پاس۔ جو کام اتنے عرصے کا تشدد نہ کرا سکا' وہ مسز کاردار کے چند میٹھے بولوں' ہمدردی اور اعتماد نے کروادیا۔ میری ماں نے ان کو ساری معلومات دے دیں' اور کہا کہ وہ پیسہ ان کو نکلوا دیں تا کہ وہ روپوش ہو سکیں۔ وہ زخمی تھیں' ٹھیک سے چل بھی نہیں سکتی تھیں۔ مسز کاردار نے اس اکاؤنٹ کو اپنے قبضے میں کیا' ان سے مختلف کاغذات پہ دستخط کروائے' اور پھر ان کو مروا دیا۔ وہ بہت بڑی رقم تھی اور وہ آج بھی انہی کے پاس ہے۔ نہ صرف رقم بلکہ میری ماں کے لاکر میں جیولری بھی بہت تھی۔ مسز کاردار صرف ان سے بدلہ لینا چاہتی تھیں۔ انہوں نے بابا کو مسز کاردار سے چھیننا تھا نا۔ اس دن سے بابا ان سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔" وہ بولے جا رہی تھی اور وہ سنے جا رہا تھا۔ غور سے توجہ سے۔

"مجھے بابا کا ان کی طرف التفات دیکھ کر ڈر لگتا تھا کہ بابا ان کو اپنا ہی نہ لیں مگر اب میں جان گئی ہوں کہ وہ صرف ان کو اذیت دینا چاہتے تھے۔ مسز کاردار مجھے پسند کرتی تھیں' ہاشم کے لئے' مگر جب سے میں نے ان کو بلیک میل کرنا شروع کیا ہے وہ میری سب سے بڑی دشمن بن گئی ہیں۔"

"ہاشم کو آپ کب سے جانتی ہیں؟" اس نے اپنائیت سے پوچھا تھا۔ آبدار ابھی تک کیاری کو دیکھ رہی تھی' اداسی سے ذرا سا مسکرائی۔ "اس نے میری جان بچائی تھی۔ میں سمندر میں ڈوب گئی تھی۔ وہ مجھے باہر لایا تھا' اس نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔"

"اور تب سے ہی آپ دوسروں کے NDEs میں دلچسپی رکھنے لگی ہیں؟ آپ خود بھی چند لمحے کے لئے کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوئی تھیں شاید۔"

آبی نے چونک کے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ بہت سے رنگ آ کر گزر گئے۔ جیسے وہ ہیجان کا شکار ہوں۔

"آپ کلینکل ڈیتھ کے تجربات پہ یقین رکھتے ہیں؟"

"نہیں آبدار۔ مجھے لگتا ہے یہ لوگ خواب دیکھتے ہیں اور اس کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔"

"وہ خواب نہیں تھا۔" آبی نے آنکھیں بند کیں۔ "وہ حقیقت تھی۔ میں نے پہلی دفعہ جانا تھا کہ روح اور جسم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ میری روح میرے جسم سے نکل گئی تھی۔ پانی کے اندر سے ہوتی ہوئی وہ ایک گہری تاریک سرنگ سے گزری تھی۔ سرنگ بہت لمبی تھی۔ اختتام پہ روشنی تھی۔ میں بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ ہوا سے ہلکی۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں اپنے جسم سے اوپر اٹھ گئی ہوں۔ اور نیچے میں نے دیکھا' وہ مجھے پانی سے باہر لا رہا تھا۔ اس کی شرٹ کی پشت پہ سیپی چپکی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے وہ منظر...."

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر ایک آڑ تھی.... سفید لکیر.... مگر وہ لکیر نہیں تھی وہ کچھ اور تھا۔ اس کے پار میری ماں کھڑی تھی۔ اور ایک کزن جو کچھ عرصہ پہلے فوت ہوا تھا۔ وہ مجھے واپس مڑنے کو کہہ رہے تھے۔ شاید وہیں میں نے اسے دیکھا۔ وہ ایک روشنی سے بنا وجود تھا۔ انسان نہیں۔ بس ایک وجود

تھا۔A being of light۔ سراپا نور۔اس سے پھوٹتے رنگ بدل رہے تھے۔ سرخ ہو رہے تھے جیسے وہ غصے میں ہو۔ وہ مجھ سے خفا تھا۔ میں نے بہت لوگوں کے انٹرویو کیے یہودی عیسائی ہندو حتی کہ athiests کے بھی۔ وہ کسی سے خفا نہیں تھا۔کسی نے اس کے بدلتے رنگ نہیں دیکھے۔تو میں نے کیوں دیکھے؟ سب کو اس نے علم حاصل کرنے کا اور لوگوں سے محبت کرنے کا پیغام دیا۔میرے اوپر اس نے غصہ کیا۔کچھ کہا نہیں۔بس غصہ طیش....غضب....یہی محسوس ہوا مجھے۔کیوں؟"

"کیونکہ آپ نے خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔" وہ ہلکا سا مسکرا کے بولا۔وہ بالکل ٹھہر گئی۔یک ٹک ساکت سی اسے دیکھے گئی۔

"آپ اپنے والد کی توجہ کے لئے خودکشی کرنے جا رہی تھیں۔آپ نے پہلے بتایا تھا ایک دفعہ۔یہ جان اتنی ارزاں نہیں ہوتی کہ اسے یوں ضائع کیا جائے۔کبھی کسی خودکشی کر کے واپس آنے والے مریض کا انٹرویو کیا آپ نے؟"

آبی نے نفی میں سر ہلایا۔"جو اپنی جان کو بے مقصد ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں یا دوسروں کی جانوں کے ساتھ کھیلتے ہیں وہ توبہ کیے بغیر مر جائیں تو قابلِ معافی نہیں ہوتے۔اس لیے شاید اس نے آپ پہ غصہ کیا ہو۔"پھر گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اب چلتا ہوں۔کوئی مسئلہ ہو تو بتایئے گا۔"

آبی نے بدقت اثبات میں سر ہلایا۔"تھینک یو۔مسز مرکو میرا سلام کہیے گا۔"

"شیور" وہ گہری سانس لے کر پلٹ گیا۔آبدار کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خالی دامن سے شکایت کیسی؟

اشک آنکھوں میں تو بھر جاتے ہیں!

حنین نے آج پھر سبق نہیں سنایا تھا۔میمونہ کا فون آیا تو اس نے سر درد کا بہانہ کر دیا لیکن وہ اصرار کرنے لگی کہ تھوڑا سا قرآن سے دیکھ کر سنا دو بس ناغہ نہ ہو۔تب وہ وضو کر کے اپنے بیڈ پہ آ بیٹھی اور قرآن کھول لیا۔سورہ مریم آج کل وہ حفظ کر رہی تھی۔صفحے سے دیکھ کر سنانے لگی۔چند آیات کے بعد ہی اس کی سانس اتھل پتھل ہونے لگی مگر وہ تلاوت کرتی رہی۔

"(کہا ابراہیم نے) اے میرے باپ بے شک مجھے خوف ہے کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے پھر شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے البتہ اگر تو باز نہ آیا میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور مجھ سے ایک مدت تک دور ہو جا۔کہا (ابراہیم نے) تیری سلامتی رہے اب میں اپنے رب سے تیری بخشش کی دعا کروں گا بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔اور میں تمہیں چھوڑتا ہوں اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور میں اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ ہوں گا۔پھر جب ان سے علیحدہ ہوا اور اس چیز سے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت سے حصہ دیا اور ہم نے ان کے لیے"لسان الصدق"(نیک نامی) بنائی۔"(42-50)
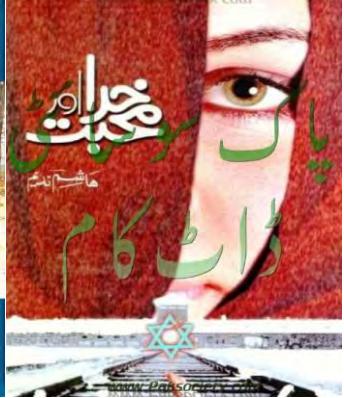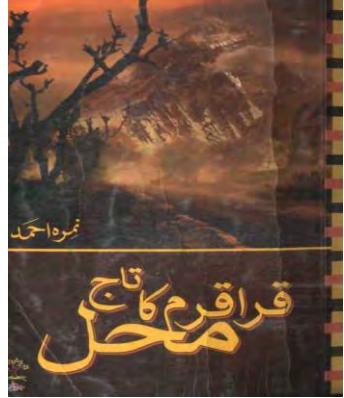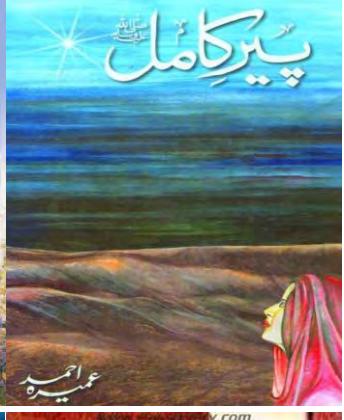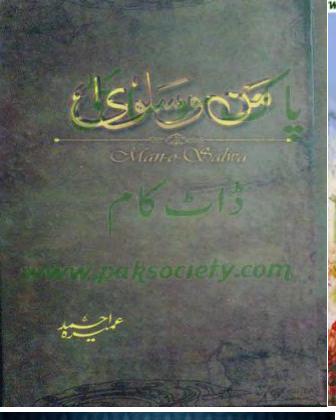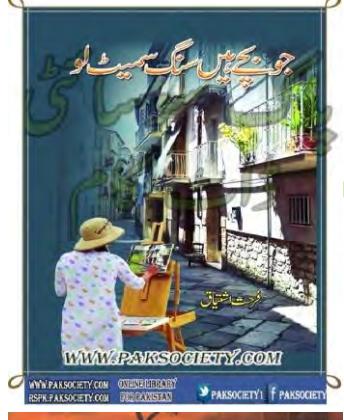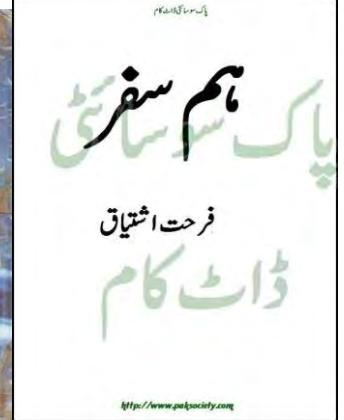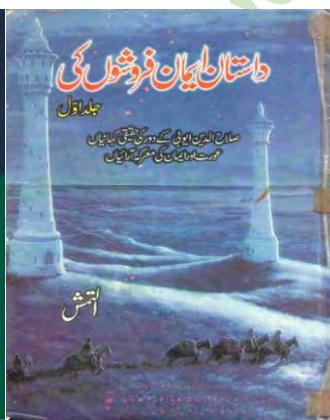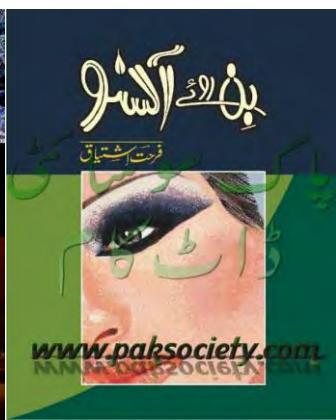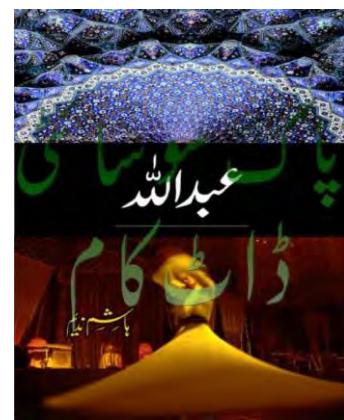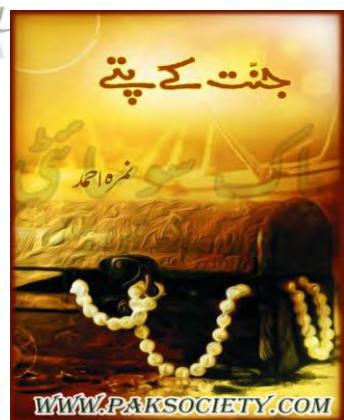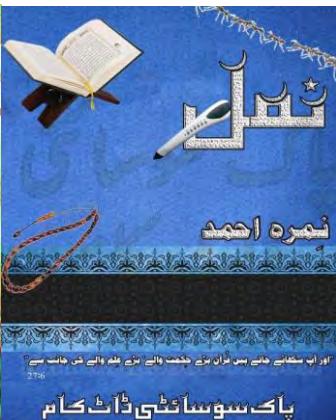
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سانس مزید پھول گیا تو اس نے بس کر دی۔ صدق اللہ العظیم کہہ کر اجازت مانگی۔ فون بند کرنے کے بعد وہ ٹیرس پہ آ بیٹھی اور کتنی ہی دیر یونہی بیٹھی رہی۔ اندھیرا اچھل رہا تھا، ڈپریشن سا ڈپریشن تھا۔ اور تب اس کی نظر کالونی میں دور ایک درخت سے ٹیک لگائے شخص پہ پڑی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا اس عام سے مورچال کو بہت حسرت سے دیکھ رہا تھا۔ تاریکی کے باوجود وہ اس کی آنکھیں پڑھ سکتی تھی۔ وہ تیزی سے نیچے کو بھاگی۔

"نوشیرواں بھائی!" چند منٹ بعد وہ اپنا گیٹ عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کے سیدھا ہوا مگر خاموش ویران آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"آپ ادھر کیا کر رہے ہیں؟ جانتے ہیں نا، کورٹ میں یہ بات آپ کے خلاف جا سکتی ہے؟ اس لئے چلتے بنیں۔" درشتی سے وہ بولی تھی۔

"لوزر... سپر لوزر... یہی کہا تھا نا تم نے مجھے۔ اگر پیچھے مڑ کے دیکھو تو یہ سب تمہاری زبان کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔" وہ تلخی سے بولا تھا، ایسی تلخی جس میں ملال زیادہ تھا۔ حنین چونک کے واپس گھومی۔ "کیا؟"

"تم دونوں کو کبھی احساس ہوا حنین کہ تم لوگ اپنے احساسِ برتری میں مجھے کتنا ہرٹ کر جاتے تھے؟ میری کتنی بے عزتی کرتے تھے؟ اور آئی ڈونٹ کیئر اگر تم یہ سب ریکارڈ بھی کر لو۔ لیکن میں نے جو کچھ کیا وہ اس لئے کیا کیونکہ تم دونوں نے مجھے ہمیشہ بے عزت کیا۔ کبھی میری عزت نہیں کی۔"

"صحیح!" حنین نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے اور سر کو خم دیا۔ "میں نے واقعی آپ کو بہت ڈی گریڈ کیا ہے۔ مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"لیکن اس کے باوجود میں پورے ملک میں بدنام ہو چکا ہوں اور تمہارا بھائی دو قتل کر کے بھی بدنام نہیں ہوا۔ اس کے خلاف انکوائری نہیں ہوتی۔ وہ ہر دفعہ بچ جاتا ہے۔ کوئی ایک لمحے کے لئے بھی کیوں نہیں سوچتا کہ وہ اور تم... تم دونوں بھی میرا دل دکھاتے تھے۔" وہ دکھی دل سے کہہ رہا تھا، گویا پھٹ پڑا تھا۔

"کیونکہ ہم "لوگ" تھے اور "لوگ" باتیں کرتے ہیں نوشیرواں بھائی۔ لوگوں کا کام ہی باتیں کرنا ہے۔ آپ کو لوگوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن آپ بھی کیسے پرواہ نہ کرتے۔" وہ تلخی سے ہلکا سا مسکرائی تھی۔ "جب لوگ ہمارے بارے میں باتیں کرتے ہیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہمیں لگتا ہے ہماری عزت خراب ہو گئی ہے۔ ہم دوبارہ سر اٹھا کے نہیں جی سکیں گے۔ ہمارا خاندان ہمیں رسوا کر دے تو لگتا ہے ساری زندگی ہی ختم ہو گئی ہے۔ بدکاری کی سزا سنگسار کرنا ہوتا ہے۔ سرِ عام پتھر مار کر ہلاک کرنا۔ یہ ایک توہین آمیز سزا ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے یہی سزا سنائی تھی۔ ان کی عزت ختم کرنے کے لئے۔ کیونکہ لوگ ان کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ ان کے بتوں کو ذلیل بوس کرنے والا ہے ایک نوجوان... کہتے ہیں جسے ابراہیم۔ وہ سچے تھے مگر زمانے بھر نے ان کے خلاف باتیں کیں، سازشیں کیں۔ ان کو تنہا کر دیا۔ ان کی عزت ختم ہو کر رہ گئی۔ ان کو ان کے گھر سے نکال دیا گیا، جب آگ میں نہ جلا سکے تو ملک

سے نکال دیا۔ پھر کیا ہوا؟" وہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی۔ شیرو یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"پھر یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسحٰق بھی دیئے' اسمٰعیل بھی' اور یعقوب بھی۔ ان کو اللہ نے کعبہ بنانے کا شرف بھی دیا اور ان کے نام کو رہتی دنیا تک ہماری نمازوں کا' ہمارے درود کا حصہ بنا دیا۔ تین بڑے ادیان کے پیروکار یہود... عیسائی... مسلمان... اس بات پہ جھگڑتے ہیں کہ ابراہیم ہمارا ہے۔ سب انہی کو اپنانا چاہتے ہیں' ان کو اپنے دین میں داخل دکھانا چاہتے ہیں جن کو ان کے گھر والوں نے نکال دیا تھا۔ جن کی وہ لوگ عزت نہیں کرتے تھے۔" وہ بول رہی تھی اور اس کا سانس مزید پھولتا جا رہا تھا۔ اس کی رنگت سرخ پڑ کے تمتمانے لگی تھی اور آواز بلند ہو رہی تھی۔ "اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے لسان الصدق بنائی۔ سچی زبان۔ سچی تعریف۔ نیک نامی۔ جو رہتی دنیا تک اور اس کے بعد بھی قائم رہے گی۔ مگر ہم نوشیرواں بھائی' ہم کتنے بھلکو لوگ ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لوگ ہمیں بے عزت کریں گے تو ہماری عزت اور نیک نامی چلی جائے گی؟ ہم رسوا ہو جائیں گے؟ لوگ ہمارے بارے میں باتیں کریں گے تو ہم کبھی سر اٹھا نہیں سکیں گے؟ تو پھر کون تھا وہ شخص جس نے اپنے وقت کے بڑے بڑے خداؤں کو کلہاڑا مار کے توڑا تھا' جس کے بارے میں سب لوگ بری بری باتیں کرتے تھے مگر آج اس جیسا نیک نام کوئی نہیں؟ نہیں نوشیرواں بھائی... لوگوں کا کام تو ہوتا ہے باتیں کرنا۔ کسی انسان کی عزت لوگوں کی زبانوں سے نہیں بندھی ہوتی کہ وہ زبان کھولیں گے اور عزت گر جائے گی۔ اللہ..." اس نے انگلی اٹھا کے اوپر اشارہ کیا۔ "صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے ہر انسان کی عزت۔ وہ نہ چاہے تو کوئی رسوا نہیں ہو سکتا۔ اور جانتے ہیں کیوں اچھے بھلے دیندار لوگ ایک دن اچانک سے ہماری نظروں سے گر جاتے ہیں؟ جب ان کی سیاہ کاریاں سامنے آتی ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بدل گئے ہیں' مگر وہ پہلے بھی اچھے نہیں تھے۔ ان کی نیت شروع سے خراب تھی اور شروع میں اللہ نے ان کو چانس دیا مگر جب انہوں نے اپنی نیت درست نہ کی تو اللہ نے ان کی تمام محنتوں اور کوششوں کو انہی کے ہاتھوں برے کاموں میں لگایا' یوں ان کی نیتیں سب پہ کھل گئیں۔ انسان بری نیت نہ رکھے تو اللہ اسے کبھی رسوا نہیں کرتا۔ یہی پوچھنا چاہتے تھے نا آپ۔ یہی ہے آپ کا جواب۔ کسی کی عزت کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہمارا سارا خاندان ہماری بے عزتی کرے گا تو اللہ اس سے کئی زیادہ لوگ پیدا کر دے گا جو ہماری عزت کریں گے۔ اگر ہم نے اپنے گناہوں پہ معافی مانگ لی ہے' اور دوسروں کا بھلا سوچنے لگ گئے ہیں نا' ہماری نیت درست ہے نا تو اللہ ہمیں کسی انسان کے ہاتھوں رسوا نہیں کرے گا۔ اگر ہم انسانوں کی بھلائی سوچیں' اور اپنی نیت کو نیک کر لیں تو ملے گی ہمیں وہ عزت جسے کوئی انسان داغدار نہیں کر سکے گا۔ اسلئے ان بتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ کلہاڑا مار کے ان کو توڑ دینا چاہیے۔ کوئی ہمارے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھے تو اس کی آنکھ کو تیر مار کے پھوڑ دینا چاہیے۔ کسی کو نقصان دینے میں پہل کرنے کا نہ سوچنا ہے' نہ یہ کرنا ہے۔ لیکن ہماری غلطیوں کی کہانیوں کے مرد کردار اگر ہم عام لڑکیوں کو یہ کہہ کے دھمکائیں کہ وہ ہماری تصاویر یا ہمارے راز پوری دنیا کو دکھا دیں گے تو ان کو کہنا چاہیے کہ جاؤ جاؤ... دکھا دو سب کو۔ تم پھر بھی مجھے رسوا نہیں کر سکتے۔ دنیا کے سارے بدکردار مرد اکٹھے ہو جائیں وہ تب بھی تائب ہوئی ہم عام لڑکیوں کو رسوا نہیں کر سکتے۔ یہ ہوتی ہے توبہ اور اچھی نیت۔ عزت پانا چاہتے ہیں نا آپ؟ تو لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کرنا شروع کریں۔ میں بھی عزت پانا چاہتی ہوں' اس لئے میں اب ڈرے

بغیر دوسروں کا سوچوں گی۔اپنے بھائی کا سوچوں گی جس کے لئے مجھے گواہی دینی ہے۔پھر تیر مارنا پڑے یا کلہاڑا'اللہ شاہد ہو گا کہ میری نیت بری نہیں تھی۔" اس کی گلابی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔چہرہ دہک رہا تھا۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔وہ سُن سا ہوا اسے دیکھے جا رہا تھا۔وہ اب اندر کی طرف مڑ گئی تھی مگر وہ ہنوز وہیں کھڑا تھا۔اس کے الفاظ کی بازگشت ابھی تک کالونی کے درختوں سے ٹکرا ٹکرا کے پلٹ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
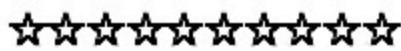
کرب چہرے سے ماہ وسال کا دھویا جائے

آج فرصت سے کہیں بیٹھ کے رویا جائے

فارس جس وقت کمرے میں آیا' وہ بیڈ پہ کروٹ لئے لیٹی تھی۔رخ دوسری طرف تھا۔آنکھوں پہ بازو رکھے ہوئے تھی۔

"محترمہ...وہ دن کب آئے گا جب میں گھر آؤں گا اور آپ میرے کسی جرم کی پاداش میں مجھ سے خفا نہیں بیٹھی ہوں گی؟" وہ سنگھار میز کے قریب کھڑا' گھڑی اتارتے ہوئے 'مسکراہٹ دبائے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا جو ہنوز کروٹ لئے لیٹی نظر آ رہی تھی۔"تو پھر پاکستان پینل کوڈ کی کونسی دفعہ کے تحت میرے اوپر آج چارجز فریم کیے جائیں گے؟ میں آپ سے بات کر رہا ہوں' زمر بی بی۔" گھڑی اتار کر رکھی اور آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے شرٹ کے آستین موڑنے لگا۔

"نہیں لگا یا میں نے اس کا دیا ہوا پرفیوم۔پھر کیا ہوا ہے؟ کس بات پہ ناراض ہو؟" وہیں سے اسے پکارا۔وہ نہیں ہلی۔نہ کوئی جنبش'نہ آواز۔وہ پہلے قدرے حیران ہوا اور پھر گھوم کے اس کی طرف آیا۔وہ چہرے پہ دونوں بازو رکھے ہوئے تھی'مگر جتنا چہرہ نظر آ رہا تھا' وہ...گیلا تھا...بے حد گیلا۔

"زمر...کیا ہوا ہے؟" وہ ششدر سا اس پہ جھکا اور اس کے بازو ہٹائے۔اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔چہرہ سامنے آیا تو وہ نیچے فرش کو دیکھتی روئے جا رہی تھی۔پلکوں پہ اتنا پانی لدا تھا کہ حد نہیں۔

"کیا ہوا ہے؟ اٹھو' بیٹھو۔" وہ حیران پریشان سا سہارا دے کر اسے بٹھانے لگا۔اس نے پھر کوئی مزاحمت نہیں کی بس ڈھیلی سی اٹھ کے بیٹھ گئی۔گھنگریالے بالوں کی پونی ڈھیلی پڑ چکی تھی اور شدتِ گریہ سے ناک اور آنکھیں گلابی ہو کے دھک رہی تھیں۔

"مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" کبھی وہ اس کو شانوں سے تھام کر اپنی طرف موڑتا' کبھی اس کا چہرہ تھپتھپاتا۔"ادھر دیکھو۔مجھے بتاؤ۔کیا ہوا ہے؟"

"مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ میں عام نہیں ہوں۔بلکہ عام لوگوں سے بہت مختلف ہوں۔برتر ہوں۔" وہ روتے ہوئے ہچکیوں کے دوران بولی تھی۔وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے لگتا تھا میں چونکہ پراعتماد ہوں'مضبوط ہوں' ایک کریئر ہے' میری تو ہاشم مجھے کچھ تو سمجھتا ہو گا۔کورٹ میں مجھے لائٹ نہیں لیتا تو

ایسے بھی نہیں لینا ہوگا۔ مجھے لگتا تھا کوئی تو اہمیت ہوگی میری۔ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے۔ ایک باہمت بہادر عورت ہونے کی حیثیت سے۔ مگر نہیں۔ میں تو ان لوگوں کے لئے ایک چیونٹی سے بڑھ کر نہیں ہوں۔"

"کیا ہوا ہے زمر؟ مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔" وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔ زمر نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ "اس لئے مارا پیٹا تھا تم نے میرے ڈاکٹر کو؟ اسی لئے نا؟"

فارس ایک دم بالکل گنگ سا ہو گیا۔ "کیا؟"

"مجھے پتہ ہے تم نے اسے مارا تھا۔ کیوں مارا تھا؟ آج ہاشم نے بتا دیا ہے۔"

"کیوں مارا تھا؟" وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ کے بولا تھا۔

"جب تم جیل میں تھے تو اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ میرا کڈنی ناکارہ ہو چکا ہے۔ تم سمجھ گئے تھے میں نہیں سمجھی تھی۔ مجھے لگتا تھا میں بہت عقلمند ہوں، مگر میں عام سی بے وقوف سی عورت ہوں۔" وہ پھر سے بلک بلک کے رونے لگی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ بتایا ہے اس نے تمہیں؟ بس یہی کیا اس نے یا اس نے کچھ اور بھی؟" وہ سانس روکے پوچھ رہا تھا۔

"اس سے زیادہ وہ کیا کر سکتا تھا؟ فارس اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا تھا؟" وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے چہرہ جھکائے روئے جا رہی تھی۔

"میں نے کیا بگاڑا تھا ان لوگوں کا۔ میں نے ان کو کب نقصان دیا؟ کبھی ان کا دل بھی نہیں دکھایا پھر کیوں مذاق بنا دیا انہوں نے میری زندگی کو؟" فارس نے گہری سانس لی اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔

"آئی ایم سوری، مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا، مگر میں نہیں بتا سکا۔ میرے اندر ہمت نہیں تھی تمہیں پھر سے توڑنے کی۔" وہ اس کا سر نرمی سے تھپکتے ہوئے ملال سے کہہ رہا تھا۔

"تماشا بنا دیا میری زندگی کو میں کیا ہوں ان کے لئے؟ فارس میں کیا ہوں ان کے لئے؟" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی جا رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وہ دن بہت برے تھے۔ تم جیل میں تھے۔ میں اکیلی تھی۔ میں کسی سے اپنا مسئلہ شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ میں کتنی پریشان تھی۔ مجھے لگا میں مرنے جا رہی ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے پھر بھی خود کو مرنے کے لئے تیار کر لیا تھا۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا، دور کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا اور وہ آنکھیں اس کے کندھے پہ رکھے روئے جا رہی تھی۔

"ہر روز مجھے لگتا تھا کہ میں مرنے والی ہوں۔ انہوں نے میری ساری امیدیں توڑ دیں۔ مجھے خواب دیکھنے کا موقع بھی نہ دیا۔ میں نے کیا بگاڑا تھا ان کا؟ مجھے کیوں یہ ہر دفعہ پیر تلے مسل کر چلے جاتے ہیں۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

”میرے سر پہ تلوار لٹک رہی تھی۔زمر مرنے والی ہے۔ ہر روز یہ الارم بجتا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ٹھیک سے اندر سے خوش بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ اندر ہی اندر مجھے ڈپریشن کھا رہا تھا۔ میں نئی زندگی کو پلان بھی نہیں کر پاتی تھی۔ کیوں کھیلتے رہے وہ میری صحت کے ساتھ؟“

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ٹھیک ہو۔ تمہیں اب کچھ نہیں ہو گا۔“

”اب میں کیسے یقین کروں کہ اب میں زندہ رہوں گی؟ میں مرنے کے لئے تیار تھی۔ میں اپنی تیاری کو کیسے بدلوں فارس؟ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔“ وہ اسی طرح روئے جا رہی تھی۔ سسکیوں اور ہچکیوں کے باعث اس کی آواز مدغم تھی۔ الفاظ بے ربط اور گڈمڈ سے ہو رہے تھے۔

وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔

کیا وہ اسے بتائے؟ کیا وہ اسے ایک دفعہ پھر سے توڑے؟ اونہوں۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ زمر کے آنسو ہنوز آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تُو میرا حوصلہ تو دیکھ، داد تو دے کہ اب مجھے
شوقِ کمال بھی نہیں، خوفِ زوال بھی نہیں!

عدالتی کمرے میں آج عجیب تناؤ زدہ ماحول تھا۔ جواہرات کاردار مطمئن سی سیاہ لباس اور ہیروں کی جیولری پہنے شاہانہ انداز میں بیٹھی تھی۔ نوشیرواں بھی ہر دفعہ کی طرح تیار سا ویران چہرہ لئے موجود تھا۔ ساتھ بیٹھا ہاشم چبھتی مسکراتی نظروں سے کٹہرے میں کھڑی حنین کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں کاغذوں کا ایک پلندہ بھی تھا۔

اس نے کھلتے ہوئے گلابی رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ گلابی دوپٹہ سر پہ لپیٹے وہ قرآن پہ ہاتھ رکھ کے حلف اٹھا رہی تھی۔ آج ماتھے کے کٹے بال ماتھے پہ گرنے کی بجائے پن لگا کر پیچھے کو چوٹی میں کس دیے تھے اور وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ تر و تازہ چہرے کے ساتھ بہت اطمینان سے کھڑی تھی۔ جج صاحب کرسی پہ پورا گھوم کے اس کو دیکھ رہے تھے۔ زمر کے قریب بیٹھا سعدی سر جھکائے ہوئے تھا، بار بار اٹھنے کا ارادہ کرتا مگر زمر روک دیتی۔ ”اسے اکیلا چھوڑ دو گے؟“ اور وہ بیٹھ جاتا۔ آخری کرسیوں پہ بیٹھے فارس نے گردن موڑ کے سیم کو دیکھا جس کی نظریں کٹہرے پہ جمی تھیں۔ فارس غیر آرام دہ سے انداز میں بولا۔

”تمہیں آج نہیں آنا چاہیے تھا اسامہ۔“

اسامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ”اسے مورل سپورٹ نہ دوں؟ اکیلا چھوڑ دوں؟ ٹھیک ہے، جب وہ میری الماری سے چاکلیٹس کھا جاتی ہے اور میری کاپی پہ کور نہیں چڑھا کے دیتی تو دل کرتا ہے اس کی گردن مروڑ دوں، لیکن ہے تو وہ میری بہن نا۔“

”او کے تھینک یو اسامہ!“ وہ خفگی سے سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔

”اچھا آپ کی عمر کیا ہے؟“ جج صاحب نے اس نازک دبلی پتلی دراز قدم مگر کم عمر لڑکی کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ عام شکل و صورت کی تھی اور

کمزوری دکھتی تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں چمکدار تھیں اور پیشانی روشن تھی۔ سوال پہ اس نے نگاہوں کا رخ ان کی طرف پھیرا۔ "بائیس سال یور آنر۔" مگر جج صاحب کو وہ اب بھی "مائنر" لگ رہی تھی سو سمجھاتے ہوئے بولے۔ "اچھا ایسا ہے کہ ابھی یہ مسز زمر آپ سے سوال کریں گی اس کے بعد وکیل صفائی آپ سے جرح کریں گے اور ....."

"جی یور آنر' قانونِ شہادت آرٹیکل 132 کے تحت پہلے جس وکیل نے مجھے بلایا ہے وہ میری examination in chief کریں گی' پھر وکیلِ صفائی مجھے کراس کریں گے' پھر مسز زمر مجھے دوبارہ سے re-examine کر سکتی ہیں مگر صرف ان باتوں کی وضاحت کے لئے جو کراس کے دوران سامنے آئی ہیں' اس کے بعد ہاشم کاردار مجھے دوبارہ سے ری کراس کر سکتے ہیں لیکن وہ نئے سوال پوچھنے کا بھی حق رکھتے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔" وہ ایک ہی سانس میں بولے چلی گئی۔

سیم نے فارس کے قریب سرگوشی کی (اب یہ زیادہ اوور ہو رہی ہے۔) مگر فارس اب غور اور اچھنبے سے اسے دیکھ رہا تھا جو غیر معمولی طور پہ کمپوزڈ نظر آ رہی تھی۔ جج صاحب اب پورا گھوم کے اسے دیکھنے لگے تھے۔

"بہر حال' کاردار صاحب آپ سے جرح کے دوران متعلقہ سوالات کے علاوہ کوئی ایسا سوال بھی پوچھ سکتے ہیں جو....." وہ پھر سے اسے وارن کرنے لگے مگر.....

"جو قانونِ شہادت آرٹیکل 141 کے تحت میری veracity چیک کرنے کے لئے ہو' میرا بیک گراؤنڈ' کام' وغیرہ جاننے کے لئے ہو یا....." نظروں کا رخ ہاشم کی طرف موڑا۔ "میرا کردار مسخ کرنے کے لئے ہو۔ اور کورٹ ان سوالوں کی اجازت دے گی' میں جانتی ہوں۔"

جج صاحب نے کھلے لب بند کیے' پھر بولے۔ "میں صرف یہ تسلی کر رہا تھا کہ آپ کو اپنے رائٹس معلوم ہیں یا نہیں۔"

"I know my rights more than i know my wrongs , your honour!"

وہ اسی انداز میں بولی تھی۔ دھیما' شائستہ' مسکرا کے بولنے والا انداز۔ ہاشم محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ سیم نے پھر سے منہ بنایا (اوور)۔ فارس غیر آرام دہ تھا اور سعدی فکرمند۔ "یہ کیا کر رہی ہے زمر؟"

"وہ حنین ہے اور اس کے دماغ میں کیا چلتا رہتا ہے' میں نہیں جانتی۔" وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے سامنے آٹھہری۔

"ریکارڈ کے لئے اپنا نام بتایئے۔"

"حنین ذوالفقار یوسف خان۔" وہ زمر کو دیکھ کے گردن کڑائے بولی تھی۔

"مدعی سعدی یوسف سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"وہ میرا بھائی اور brother in arms (اچھا ساتھی) ہے۔" سعدی کو دیکھ کے مسکرا کے بولی۔ وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

اب زمر اس سے چند چھوٹے موٹے سوالات کرنے لگی۔ وہ اعتماد اور سبھاؤ سے جواب دیتی گئی۔

"بیس مئی کی شام جب آپ میرے کمرے میں موجود تھیں تو آپ نے باہر کیا دیکھا؟"

''میں نے دیکھا سعدی یوسف گھر کی پچھلی گلی میں چلتا آ رہا تھا اور وہ فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ مخاطب کو حلیمہ کے نام سے پکار رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے باس سے ملنے کل آنا چاہتا ہے۔ یعنی وہ اپائنٹمنٹ لے رہا تھا۔''

''اور آپ کے عزیز و اقارب میں حلیمہ کس کی سیکرٹری کا نام ہے؟''

''ہاشم کاردار کی سیکرٹری ہے وہ۔ ہاشم نے مجھے اور آپ کو خود بتایا تھا جب ہمارے سامنے ان کی سیکرٹری کا فون آیا تھا۔''

''آپ کو یقین ہے کہ آپ نے یہی نام سنا تھا؟''

''جی۔ سو فیصد۔''

''ہمیں نوشیرواں کاردار کے اغوا کے بارے میں بتایئے' تاکہ عدالت کو معلوم ہو کہ وہ کس کردار کا حامل ہے؟'' زمر سوال پوچھ رہی تھی اور وہ جواب میں پورا واقعہ بتا رہی تھی کہ کس طرح اس نے نوشیرواں کا ڈرامہ پکڑا۔ شیرو زخمی نظروں سے اسے دیکھے گیا مگر اسے جیسے حنہ سے اب کوئی گلہ نہیں رہا تھا۔

''آخری دفعہ جب ہاشم کاردار آپ کے گھر آئے تھے' بریانی فرائیڈے پہ تو کیا کہا تھا انہوں نے؟''

''انہوں نے سب کے سامنے معافی مانگی تھی اور اقرار کیا تھا کہ نوشیرواں اور وہ ذمہ دار ہیں سعدی بھائی کے اغوا اور ارادہ قتل کے۔ انہوں نے ہم سے سب بھول کر آگے بڑھنے کی بات کی تھی۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بتاتی گئی۔

''حنین آپ کو یقین ہے کہ انہوں نے اعتراف جرم آپ کے سامنے کیا تھا؟'' زمر جج صاحب پہ ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے حنہ سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے' انہوں نے اعتراف جرم کے ساتھ افسوس کا اظہار بھی کیا تھا۔''

''your witness!'' زمر مڑی اور ہاشم کو اشارہ کیا۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھا' عادتاً کوٹ کا بٹن بند کیا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سعدی کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ چاہ کر بھی چہرہ اٹھا نہیں پا رہا تھا۔ نظریں زمر کے کاغذات پر رکھے کھلے پین پہ جمی تھیں۔ جس کی نب تیز دھار پھل کی طرح چمک رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے اس پین کو مٹھی میں دبا لیا۔ نظریں ہنوز جھکی تھیں۔

''حنین یوسف!'' ہاشم مسکرا کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بات کا آغاز کرنے لگا۔ ''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ.....''

''اور لینگویج کا کیا؟'' وہ تیزی سے بولی۔ ہاشم رکا۔ جج صاحب نے بھی گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''قانونِ شہادت کے تحت آپ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے کہ میں کس زبان میں زیادہ کمفرٹیبل ہوں اور میرا بیان اسی زبان میں ریکارڈ ہونا چاہیے۔ یہ میرا حق ہے اور آپ نے مجھ سے اس بارے میں نہیں پوچھا۔''

''اوکے جی۔ آپ کس زبان میں آرام دہ ہیں؟''

''اردو یا انگلش۔ کسی میں بھی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ ہاشم نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

"حنین آپ کے بیان کے مطابق آپ نے سعدی کو مبینہ طور پہ کسی کی سیکرٹری کا نام لیتے سنا تھا۔ حلیمہ۔ کیا یہ درست ہے؟"

"جی!"

"اور کیا آپ نے سرنیم بھی سنا تھا؟ حلیمہ کون؟ اگلا نام؟"

"بھائی نے صرف حلیمہ بولا تھا۔"

"حنین آپ ماشاءاللہ ایک ذہین لڑکی ہیں' اتنا تو جانتی ہوں گی کہ آفیشل capacity میں ایمپلائز کو عموماً ان کے سرنیم کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ بس یوسف مسز کاردار۔ فرسٹ نیم ٹرم نہیں یوز کی جاتیں۔ کیا ایسا نہیں ہے؟"

"نہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ باسز عموماً اپنی سیکرٹریز کے ساتھ فرینک ہوتے ہیں اور ان کو فرسٹ نیم ٹرم کے ساتھ ہی بلاتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ میرے سامنے اپنی سیکرٹری کا فون اٹینڈ کرنے کے بعد آپ نے ہمیں اس کا نام حلیمہ ہی بتایا تھا۔ نو سرنیم!"

"لیکن کیا آپ نے سعدی کو فون پہ میرا نام لیتے سنا؟ یا نوشیرواں کا؟"

"نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"اور وہ حلیمہ کوئی بھی حلیمہ ہو سکتی تھی۔ کسی کی بھی سیکرٹری' رائٹ؟"

"آبجیکشن یور آنر۔" زمر تیزی سے اٹھی۔ اس سے پہلے کہ زمر اعتراض کی وجہ بتاتی یا جج صاحب رولنگ دیتے' حنین نے جج صاحب کی طرف رخ پھیر کے کہا۔

"کیا آپ مسز زمر کو کچھ دیر کے لئے خاموش رہنے کا کہہ سکتے ہیں کیونکہ مجھے ان کے سوالوں پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں ہر سوال کا جواب دوں گی۔"

"وہ آپ کی وکیل ہیں۔ اور...."

"وہ میری وکیل نہیں ہیں۔ میں اپنی وکیل خود ہوں۔ اب میں جواب دوں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔ زمر نے نظر بچائی۔ وہ برہمی سے واپس بیٹھی۔ سعدی ابھی تک پین ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔

"جی' وہ کوئی بھی حلیمہ ہو سکتی تھی میں نے صرف فرسٹ نیم سنا تھا۔"

"اور آپ پورے وثوق سے کہتی ہیں کہ آپ کے سامنے میں نے اعتراف جرم کیا تھا؟"

"جی۔" اس نے ہاشم کی آنکھوں میں دیکھ کے کہا۔ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ گویا ننھی لڑکی کو دیا آخری موقع بھی ضائع چلا گیا ہو۔

"اور کیا سعدی کے واپس آنے سے قبل کیا کبھی آپ نے میرے سامنے ذکر بھی کیا کہ آپ میری سو کالڈ اصلیت سے واقف ہیں۔"

"نہیں۔" وہ قدرے آہستہ سے بولی تھی۔

"آپ کے بیان کے مطابق آپ بہت پہلے سے واقف ہو گئی تھیں' لیکن کیا آپ نے کبھی مجھے کھل کے کہا کہ میرے بھائی نے آپ کے

بھائی کو اغوا کر رکھا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ لوگ ایک دم سے وہ سب ہمارے خاندان کو مجرم ٹھہرانے لگے کیونکہ آپ مجھ سے بدلہ لینا چاہتی تھیں؟"

وہ اس کے سامنے کھڑا بے رحمی سے جرح کر رہا تھا۔

"کس چیز کا بدلہ؟" سعدی کی گرفت چین پہ سخت ہو گئی۔ جھکی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

"آپ کو اگنور کرنے کا بدلہ۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"کس طرح اگنور کرنے کا بدلہ؟" اس نے سپاٹ انداز میں دہرایا۔

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ چند ماہ تک مجھ سے واٹس ایپ پہ بات کرتی تھیں؟ (سعدی نے آنکھیں زور سے میچیں۔ زمر نے اس کی اکڑی ہوئی مٹھی پہ ہاتھ رکھا۔) اور میری توجہ چاہتی تھیں۔"

"میں آپ سے اپنے بھائی کے بارے میں پوچھتی تھی جیسے علینا اپنے کلاس فیلوز سے بات کرتی ہے۔"

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ آپ اپنی فیملی سے چھپ کے مجھ سے بات کرتی تھیں۔"

"میں آپ سے فیس بک پہ بھی سب کے سامنے بات کرتی تھی جیسے علینا اپنے کولیگز سے کرتی ہے۔"

"مگر کیا یہ درست نہیں ہے کہ یہ آپ کی فیملی میں غلط سمجھا جاتا ہے؟"

"میری فیملی میں یہ ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا علینا کی فیملی میں سمجھا جاتا ہے مگر جیسے علینا ضرورت کے تحت فیس بک پہ اپنے کولیگز وغیرہ سے بات کر لیتی ہے میں بھی کر لیتی ہوں۔"

"ایکسکیوزمی یہ علینا کون ہے؟" ہاشم نے اکتا کے بات کاٹی۔

"جج صاحب کے ریڈر کی بیٹی۔" اس نے معصومیت سے کہہ کر چند کاغذ جج صاحب کی طرف بڑھائے۔ جہاں ریڈر صاحب چونکے، وہیں ہاشم ٹھہرا اور زمر نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ (اُف۔ اُف)

"یہ یور آنر ریڈر صاحب کی بیٹی کے فیس بک کے کچھ اسکرین شاٹس ہیں، اور یہ میری ہاشم بھائی سے کی بات کے اسکرین شاٹس۔ علینا اپنی یونیورسٹی میں ایک نہایت باعزت اور برائٹ اسٹوڈنٹ ہیں اور جیسے وہ بولتی ہیں، میں بھی ویسے ہی بولتی تھی۔ اب ہمارے بڑے اس بارے میں کیا سوچتے ہیں مجھے نہیں پتہ۔ آپ یور آنر کے ریڈر سے پوچھ لیں، کیا وہ اس طرح بات کرنے کو برا سمجھتے ہیں؟"

ہاشم نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ جج صاحب نے کاغذات پہ ایک نظر ڈالی اور عینک کے پیچھے سے گھور کے حنین کو دیکھا۔ "آپ ریڈر کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں کر سکتیں۔" انہوں نے تنبیہہ کی۔

"یور آنر قانون میں کہیں بھی کوئی بھی شق مجھے منع نہیں کرتی اس چیز سے، سو میں یہ لے آئی۔" معصومیت سے شانے اچکائے۔

''میری بیٹی کا یہاں کیا ذکر؟''

''میں بھی تو کسی کی بیٹی ہوں۔ میرے ذکر کی اجازت بھی تو آپ لوگ دے رہے ہیں نا۔'' پھر ہاشم کو دیکھا۔ ''آپ کیا پوچھ رہے تھے؟ اس چیز کو کیسا سمجھا جاتا ہے ہم جیسی عام فیملیز میں؟'' ریڈر صاحب کی طرف اشارہ کیا جن کے چہرے پہ رہی تھی۔

''میں آپ کی انٹرنیٹ ایڈکشن کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔'' ہاشم نے تیزی سے پینترا بدلا۔ وہ ایک جج کے ریڈر کی طرف جانے والی گفتگو کا رخ موڑنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا، مگر ابھی بہت سے تیر ترکش میں باقی تھے۔

''کیا یہ درست ہے حنین یوسف کہ آپ کمپیوٹرز وغیرہ میں بہت اچھی ہیں۔''

''بالکل!'' مسکرا کے سر کو خم دیا۔ جج صاحب اب کاغذ رکھ کے واپس ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''اور کیا یہ درست ہے کہ آپ ایک بہت اچھی ہیکر بھی ہیں؟'' وہ دوبارہ سے روانی پکڑ چکا تھا۔

''جی۔''

''حنین کیا آپ کے اردگرد کے لوگ آپ کے پاس hacking سے متعلق فیورز لینے آتے ہیں؟''

''لوگ میرے پاس فیورز لینے کیوں آئیں گے؟''

''کیونکہ آپ بہترین ہیں، اور وہ آپ پہ زیادہ بھروسہ کر سکتے ہیں۔''

''جی۔ لوگ مجھ سے فیورز لیتے رہتے ہیں۔'' اس نے اعتراف کیا۔ وہ پرسکون تھی۔ زمر بار بار اعتراض کرنے اٹھنے لگتی، پھر رک جاتی۔ کمرہ عدالت میں تناؤ ہر پل بڑھتا جا رہا تھا۔

''کیا 2013 میں ایسا ہوا کہ کسی دوست کے والد نے آپ سے کوئی فیور مانگا؟''

''جی ہاں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ ہاشم کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

''اور کیا اس فیور کا تعلق ان کے خاندان کی کسی عورت کے کسی اسکینڈل سے تھا؟''

''جی ہاں۔''

''اور ان کی مدد کرنے کے لئے آپ کو غیر قانونی ہیکنگ کرنی پڑی؟''

''میرے جواب کے بعد آپ مجھے sue تو نہیں کریں گے نا؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔ جیسے کوئی بچہ پوچھتا ہے۔ ہاشم نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔ ''میں آپ کو sue نہیں کروں گا، حکومت کا کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن میری طرف سے بے فکر ہو کر جواب دیجئے۔''

''جی۔ مجھے ان دوست کے والد کے لیے غیر قانونی hacking کرنی پڑی تھی۔''

''اور کیا یہ درست ہے کہ بدلے میں آپ نے ان صاحب سے کوئی فیور مانگا تھا؟''

فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ زمر فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سعدی کا سر جھکا تھا مگر وہ گردن اکڑائے جواب دے رہی تھی۔

''جی میں نے ان سے فیور لیا تھا۔''

''اور یقیناً وہ فیور خاص قسم کا ہو گا کیونکہ میری اطلاع کے مطابق وہ صاحب ایک انتہائی بااثر عہدے پہ فائز تھے۔''

''ایسا ہی ہے۔'' حنہ نے اعتراف کیا۔

''کیا آپ کورٹ کو بتانا پسند کریں گی کہ وہ کون تھے اور ان کے کس کام کے بدلے میں آپ نے ان سے ایک خاص فیور لیا تھا؟''

''وہ فوت ہو چکے ہیں اور اس بات کا تعلق ان کے خاندان کی ایک عورت کی عزت سے ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا بتانا۔''

''یور آنر میں عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ گواہ کو جواب دینے کا حکم دے کیونکہ ان سوالوں سے گواہ کا کردار عدالت کے سامنے واضح کرنا بہت ضروری ہے' کیونکہ یہ وہ گواہ ہے جو کہہ رہا ہے کہ اعتراف جرم اس کے سامنے ہوا ہے۔''

''گواہ کو جواب دینا ہو گا۔'' جج صاحب نے اسے ہدایت کی۔

''اور اگر میرے جواب سے ایک عورت کی عزت خراب ہوتی ہے تو ہو جائے؟ وہ فوت ہو چکے ہیں تو کیا ہم ان کا پردہ نہ رکھیں؟'' وہ جذباتی سے انداز میں بولی۔

''یہ سب آپ کا کردار جاننے کے لئے ہو رہا ہے حنین یوسف اس لئے اپنی فکر کیجئے اور جواب دیجئے۔'' وہ مسکرا کے بولا تھا۔ چہرے پہ فاتحانہ چمک تھی۔

''کیا آپ واقعی اس عورت کے ضمیر کو یوں ایکسپوز کرنا چاہتے ہیں؟ اس مرے ہوئے آدمی کی ساکھ کو داغدار کرنا چاہتے ہیں ہاشم بھائی؟'' وہ دکھ سے بولی تھی۔

''I don't give a damn!'' اس نے جج کی آواز نکال کے شانے جھٹکے تھے۔ ''لیکن آپ اگر چاہیں تو ان کے ناموں کی جگہ ان کا عہدہ بتا دیں تو بتایئے عدالت کو کہ وہ صاحب جن کا ایک کام کیا تھا آپ نے' وہ کون تھے عہدے کے اعتبار سے۔''

حنین نے اس کی آنکھوں پہ آنکھیں جمائے تین حرف بولے۔

''آئی پی پی۔''

سعدی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ادھر ہاشم نے بھنویں اکٹھی کر کے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے آپ کہنا چاہ رہی ہیں اوی پی۔''

''جی نہیں کاردار صاحب۔ میں کہنا چاہ رہی ہوں' وہ ایک آئی پی پی تھے۔ اور تگڑیب کاردار نام تھا ان کا اور 2013 کے دسمبر میں وہ ایک ذاتی کام لے کر میرے پاس آئے تھے۔ جب نوشیرواں کے اغوا کا پول کھولنے کے بدلے میں انہوں نے مجھے وہ لیپ ٹاپ اور دوسرے gadgets گفٹ کیے تھے' تب انہوں نے مجھے ایک اور کام بھی کہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں مسز جواہرات کاردار کا موبائل ہیک کر کے ان کے اپنے کزن سے چلتے افیئر کا پتہ چلاؤں اور.....''

کمرہ عدالت کا منظر ایک دم بدلا تھا۔ سارے رنگ بدلے۔ موسم کا احتزاج بدلا۔ جہاں جواہرات کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں' وہاں ہاشم نے تیزی سے اس پٹ پٹ بولتی لڑکی کو چپ کروایا۔ "اوکے تھینک یو' دیٹس آل حنین۔"

"نہیں' مجھے بتانے تو دیں' میرے کردار کو واضح کرنا چاہ رہے تھے نا آپ۔ تو پھر مجھے کرنے دیں نا اپنا کردار واضح۔"

"ٹھیک ہے' بہت ہو گیا۔ آپ جا سکتی ہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر درشتی سے اسے خاموش کروا کے اپنی کرسی کی طرف پلٹ گیا۔ اس کے ماتھے پہ پسینہ آ رہا تھا۔ کنپٹی کی رگ پھڑک رہی تھی۔ ایک دم سے لوگ پر جوش انداز میں چہ مگوئیاں کرنے لگے تھے۔ پیچھے بیٹھے رپورٹرز دھڑا دھڑ لکھے جا رہے تھے۔ حنین کٹہرے سے ہلی تک نہیں۔ اسی ہٹ دھرمی سے پکار کے بولی۔

"نہیں کاردار صاحب میں آپ کی گواہ نہیں ہوں' آپ مجھے نہیں بھیج سکتے۔ مجھے re-examine کرنے کا حق اس وکیل کو ہے جس نے مجھے بلایا تھا..."

"میں گواہ کو re-examine کرنا چاہوں گی۔ یور آنر۔" زمر تیزی سے کھڑی ہوئی۔ حنین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شانے اچکائے۔ جیسے اجازت دی ہو۔

جواہرات کا ہاتھ اپنی گردن پہ تھا اور وہ بالکل نیچے دیکھ رہی تھی۔ رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ ہاشم کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور وہ برہمی سے احتجاج کر رہا تھا مگر جج صاحب نے اسے خاموش کرا دیا۔ صورتحال ایک دم دلچسپ ہو گئی تھی۔

"حنین یوسف' کیا آپ وضاحت کریں گی کہ اورنگزیب کاردار نے آپ کو کیا کام کہا؟"

"یہ ہمارے دوست ہاشم کاردار کے والد اورنگزیب کاردار اور میری ای میلز کا ریکارڈ ہے' اور یہ ٹیکسٹ میسجز کا۔" وہ کاغذات جج صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے بولی تھی۔ "وہ چاہتے تھے کہ میں ان کی بیوی کا فون rat کر کے ان کو دے دوں' یعنی وہ اپنے فون پہ کیا کر رہی ہیں' اورنگزیب کاردار یہ دیکھ سکیں۔ ان کو شک تھا کہ ان کی وائف کا اپنے ایک کزن کے ساتھ جو افیئر رہا ہے ماضی میں' وہ شاید دوبارہ شروع ہو چکا ہے۔ سو مسز کاردار کے فون تک میں نے ان کو ایکسس دی' پھر اورنگزیب انکل کے اصرار پہ ان طیب مطیع نامی صاحب کے فون تک بھی ان کو ایکسس دی۔ یہ طیب مطیع اور مسز کاردار کی ای میلز کا ریکارڈ ہے اور چونکہ ہاشم کاردار کو ایک "damn" جتنی پروا بھی نہیں ہے' اس لئے میں یہ بھی آپ کے سامنے رکھ رہی ہوں۔ میں نے غلط کام ضرور کیا تھا مگر ان کی مدد کر رہی تھی میں۔" آخری چند کاغذات ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ جواہرات خاموشی سے اٹھی تھی' ہینڈ بیگ اٹھایا اور کمرہ عدالت سے باہر نکل گئی۔ چند رپورٹرز اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ نوشیرواں سرخ چہرہ جھکا کے بیٹھا تھا اور ہاشم برہم بے بس سا اسے بولتے دیکھ رہا تھا۔

"یہ سب جھوٹ اور بہتان ہے یور آنر۔" وہ آخر میں چلایا۔ غیظ و غضب سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں ان محترمہ پہ ہتک عزت کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ بلکہ آج ہی میں آپ کو نوٹس بھیجوں گا۔" انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی تو زمر فوراً بولی۔

"یور آنر' ایس...." مگر حنین کی آواز نے اس کا فقرہ اچک لیا۔

"Estoppel کے قانون کے تحت آپ چونکہ مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ آپ میرے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کریں گے تو اب اگر آپ کوئی دعویٰ کریں، تب بھی عدالت آپ کو estop کر سکتی ہے۔" حنین اپنی وٹنیس پریپ کر کے آئی تھی۔ زمر گہری سانس لے کر خاموش واپس جا بیٹھی۔ اب حنین جج صاحب کو مزید اس واقعے کی تفصیل بتا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے زمر کو پیچھے سے ٹہوکا دیا۔ تو وہ مڑی۔ پیچھے بیٹھے وکیل نے چٹ سی اس کی طرف بڑھائی۔ وہ سیدھی ہوئی اور کاغذ کھولا۔

"میرا خیال ہے آپ کو وکالت چھوڑ کے کوئی اور کام شروع کر دینا چاہیے زمر بی بی۔ سلائی کڑھائی یا کوکنگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" اس نے مڑ کے دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے بظاہر سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زمر نے چند الفاظ کاغذ پہ گھسیٹے اور اسے مروڑ کے واپس بھیجا۔ جب فارس نے اسے کھولا تو اس پہ لکھا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ کو یہ دنیا ہی چھوڑ دینی چاہیے۔"

وہ چہرہ جھکا کے دل کھول کے ہنسا تھا۔ دو چار افراد نے مڑ کے اسے دیکھا بھی تھا۔

حنین اب اپنی بات ختم کر چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ نیچے اترتی، جج صاحب نے اسے روک کے پوچھا۔ "آپ وکیل ہیں؟" اس نے سادگی سے ان کا چہرہ دیکھا۔ "نہیں یور آنر!"

"لا ءاسٹوڈنٹ ہیں؟"

"نہیں یور آنر!"

"پھر کیا ہیں؟"

"میں حنین ہوں۔ اور میں ایک عام لڑکی ہوں۔" وہ اداسی سے مسکرا کے نیچے اتری ایسے کہ اس کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور سعدی اسے مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔ اکڑی ہوئی مٹھی میں پکڑا قلم وہ کب کا چھوڑ چکا تھا۔

باہر نکلتے ہوئے حنہ ہاشم کے قریب ٹھہری جس کا چہرہ اہانت سے ابھی تک تمتمایا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔

"میں ناڈرامے بہت دیکھتی ہوں۔ ہاں اب میں اتنے ڈرامے دیکھنے کو اچھا نہیں سمجھتی مگر جو دیکھ رکھے ہیں ان میں ایک دفعہ ایک قصہ سنا تھا۔ کہ ایک آدمی کے پاس ایک بدروح آئی اور اسے ڈرانے لگی۔ جب وہ نہیں ڈرا تو وہ بولی۔ جانتے نہیں ہو، میں تمہاری جان لے سکتی ہوں۔ وہ آدمی بولا، سارا غم اسی جان کا ہی تو ہے، جس دن یہ نہ رہی اس دن میں تم سے بڑی بدروح بن جاؤں گا۔ آپ جیسے بلیک میلرز کو یہ جان لینا چاہیے، ہاشم کاردار، کہ سارا غم اسی عزت کا ہی تو ہے، کیونکہ جس دن ہم لڑکیوں کی عزت چلی گئی نا اس دن آپ سے بڑی بلا بن جائیں گی ہم!" اور آگے بڑھ گئی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ بس اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ سب اس کو دیکھ رہے تھے۔ وہ نظریں.... وہ چہ مگوئیاں.... قیامت سی قیامت تھی۔

حنہ اپنے گروہ کی طرف آ گئی۔ زمر اسے ریڈ روالی بات پہ ڈانٹ رہی تھی۔ سیم اسے اوور کہہ رہا تھا اور سعدی اسے گلے سے لگا کے اسے کہہ

رہا تھا کہ وہ اسے کبھی بھی اس سب میں نہیں گھسیٹنا چاہتا تھا۔ مگر اب حنہ کے ہر طرف سناٹا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور وہ بہت ڈھیر سارا رونا چاہتی تھی۔

عام لڑکیوں کی طرح۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عجب چیز ہے.... یہ گردشِ زمانہ بھی۔

کبھی زمیں پہ، کبھی مثلِ آسماں گزری۔

قصرِ کاردار میں ایسا ہولناک سناٹا چھایا تھا گویا کوئی مر گیا ہو۔ جواہرات سپاٹ چہرے اور جھکی نظروں سے آگے چلتی جا رہی تھی اور وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا۔ غیظ و غضب سے سرخ پڑتا چہرہ لئے' وہ بے بسی اور نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اندازہ ہے آپ کو میں نے کورٹ روم سے پارکنگ ایریا تک کا سفر کیسے کیا ہے ممی!'' ہاشم کی چنگھاڑتی غراتی آواز پہ بھی وہ نہیں رکی' دھیرے دھیرے آگے بڑھتی گئی۔

''مجھے رسوا کر دیا آپ نے پورے زمانے میں۔ وہ ہمارے قرابت دار نہیں تھے' ہمارے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ نہیں تھے جو ایسی باتوں کو مسکرا کے ہضم کر جاتے۔ ممی وہ ''عام'' لوگ تھے۔ وہ وکیل تھے' جج تھے۔ ان کی نظریں.. ان کی باتیں۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں لئے پاگل ہو رہا تھا۔ جواہرات چپ چاپ آگے بڑھتی گئی۔ رخ اپنے کمرہ کی جانب تھا۔

''میرا ان دو ٹکے کے نیچ لوگوں کے ساتھ روز کا ملنا تھا ممی۔ مجھے ان کا ہر دن سامنا کرنا ہوتا ہے۔ وہ میری ورک پلیس تھی۔ میں بار الیکشنز کے بارے میں سوچ رہا تھا اور آپ نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں ان کو منہ دکھا سکوں۔ آپ نے مجھے رسوا کر دیا۔''

جواہرات نے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔ وہ پیچھے بولتا جا رہا تھا۔

''اور میں جانتا ہوں طیب مطیع کے بارے میں۔ اسی لئے ڈیڈ نے مجھ سے کہہ کر اسے جیل کروائی تھی کیونکہ.....'' شدتِ جذبات سے وہ بول بھی نہیں پا رہا تھا۔ جواہرات نے دروازہ بند کر دیا' اور وہیں نیچے فرش پہ بیٹھتی گئی۔ وہ گم صم سی لگتی تھی۔

''میرے مرے ہوئے باپ کو آپ روز رسوا کرتی ہیں۔ کبھی ہارون عبید کے ساتھ' کبھی کسی تھرڈ کلاس کزن کے ساتھ۔ کیا ہیں آپ ممی! کیا ہیں آپ؟'' وہ باہر کھڑا اسی طرح چلا رہا تھا۔

سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑی سونیا اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اس کا وجیہہ بہادر سا باپ ایسے کیوں اپنے حواس کھو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ دیکھے گئی۔

اندر بیٹھی جواہرات کا فون مسلسل تھرتھرا رہا تھا۔ اس نے اسی بے جان سے انداز میں نکال کے دیکھا تو ہارون کا نمبر اسکرین پہ جگمگا رہا تھا۔

اس نے فون کان سے لگایا۔

"بولو!" گھٹی گھٹی شکست خوردہ سی آواز نکلی۔

"میں افسوس کرنا چاہتا تھا۔ سنا ہے آج چھوٹے چھوٹے بچے تمہیں رسوا کر گئے جواہرات۔ مجھے واقعتاً افسوس ہے۔ کیا میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا ہوں؟" ان کی آواز میں آنچ سی تھی۔ مسکراہٹ فاتحانہ سا ناز۔

ہاں۔ تم بولتے جاؤ۔ میں سنتی جاؤں گی۔ جو غلاظت' جو باتیں کہنی ہیں' کہہ دو۔" اس نے فون کان سے زور سے دبایا' تا کہ صرف ہارون کی آواز سماعت سے ٹکرائے اور باہر چیختے بیٹے کی باتیں اس شور میں دب جائیں۔ تا کہ تکلیف کم ہو۔

"میری بیوی کے ساتھ بھی یہی کیا تھا تم نے۔ اس کو کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔"

وہ آنکھیں بند کیے سنتی گئی۔ گرم گرم آنسو آنکھ سے نکل کے چہرے پہ گرتے رہے۔

"اب بھی وقت ہے جواہرات۔ مجھے میری بیوی کے اکاؤنٹ تک ایکسس دے دو۔ اس کی رقم' اس کے زیورات مجھے دے دو۔ میں تمہیں اس سارے اسکینڈل سے نکال لوں گا۔"

"تمہیں لگتا ہے میں ڈھے گئی ہوں؟ ہار گئی ہوں؟ اونہوں۔ ابھی جواہرات کا روار "باقی" ہے۔ اس سے بڑے طوفان سے گزری ہوں۔ ابھی نہیں ہاروں گی مگر تم بولتے رہو۔ میں سن رہی ہوں۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بولی تھی۔ دوسری طرف سے انہوں نے کال کاٹ دی تھی۔ باہر سے بولتے' چلاتے ہاشم کی آواز پھر سے آنے لگی تھی۔ جواہرات نے کرب سے آنکھیں بھینچ لیں۔

پچھلے سارے طوفان میں اس کا یہ بیٹا اس کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ اور آج.....؟؟؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ تو ہو رات کی سرحد میں اترنے کی سزا

گرم سورج کو سمندر میں ڈبویا جائے!

مارکیٹ میں معمول کا رش تھا۔ مصروف سے لوگ آگے پیچھے گزر رہے تھے۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ ایسے میں پارکنگ میں ایک کار کھڑی تھی اور وہ دونوں اگلی نشستوں پہ بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

"امیر کیانی ہر ہفتے کی شام اس میڈیکل اسٹور سے دوا خریدنے آتا ہے۔ اس کی ماں کو کوئی chronic بیماری ہے۔ آج ہفتہ ہے' اور آج وہ آئے گا' مگر مسئلہ یہ ہے سعدی کہ وہ کل صبح کی فلائٹ سے عمرے کے لئے جا رہا ہے اور حج سے پہلے نہیں آئے گا۔ ان لوگوں کے پاس عمرہ ویزہ کو حج تک بڑھانے کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔" احمر سامنے دکانوں پہ نظر جمائے کہہ رہا تھا۔ سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یعنی ہمارے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں اس سے بات کرنے کے لئے۔"

"ہمارے نہیں' تمہارے پاس۔ کیونکہ مجھ سے سخت نفرت ہے ان PMDC والوں کو۔" احمر نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

"کیوں؟ تمہارے پاس کوئی ایم بی بی ایس کی جعلی ڈگری بھی ہے؟" احمر نے جواباً صرف گھورا۔ تردید نہیں کی۔

"او کے۔تو پھر اس سے بات مجھے ہی کرنی ہوگی۔" سعدی نے گہری سانس لی۔

"نہ صرف بات کرنی ہے بلکہ اسے راضی کرنا ہے' پیسے بہت لے گا مگر یہ پی ایم ڈی سی کا واحد کلرک ہے جو خفیہ طریقے سے ہمیں پاکستان کے تمام ڈاکٹرز کا ڈیٹا فراہم کر سکتا ہے اور ہم Facial recognition سافٹ ویئر کے ذریعے ڈاکٹر مایا کو ان لاکھوں ڈاکٹرز میں ڈھونڈ لیں گے۔لیکن اس شخص کے علاوہ کوئی کلرک ایسا نہیں جو کاردار ز کو نہ بتائے۔ان کے بہت جاننے والے ہیں پی ایم ڈی سی میں۔وہ محتاط ہو گئے تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔"

"اگر آپ کی نصیحتیں بند ہو گئی ہوں تو میں جاؤں اور عمرے پہ جانے والے شخص کو رشوت کی پیشکش کروں تاکہ وہ میرا کیچ ثابت کرنے میں میری مدد کر سکے۔"

"ایک تو تم لوگوں کی اخلاقیات سے میں بہت تنگ ہوں۔" احمر نے برا سا منہ بنایا۔"اس ملک میں کوئی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا بھائی۔"

"میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔اس لئے پہلے میں اسے باتوں سے منانے کی کوشش کروں گا' خدا کرے مجھے رشوت نہ دینی پڑے۔" اس نے کان میں آلہ لگاتے ہوئے دروازہ کھولا اور پھر سر پہ پی کیپ جماتے ہوئے باہر نکل گیا۔اندر بیٹھے احمر نے اپنے کان میں آلے کو جمایا اور بولا۔

"شاپ کے قریب کھڑے ہو جاؤ۔وہ جیسے ہی آئے گا' میں تمہیں خبردار کردوں گا۔"

"آہستہ بولو۔میرے کان درد کرنے لگے ہیں۔" وہ کراہا تھا۔احمر ہتھیلی پہ لگا مائیک منہ کے بالکل قریب لے کر گیا اور مزید زور سے بولا۔"تم سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا' انگلی سے کان میں لگے آلے کو ذرا ڈھیلا کیا اور ناسمجھی سے پوچھا۔"کیا بات؟"

"تمہاری امی نے غازی سے کہا ہے کہ تمہیں سمجھائے اب شادی کر لو مگر اس کا خیال ہے' بندے کو ایک نہیں تین شادیاں کرنی چاہیے' اس لئے تمہیں سمجھانے کی ذمہ داری اس نے مجھے دی ہے۔"

سعدی ہلکے سے ہنس دیا۔سر جھکائے وہ قدم آگے کو بڑھا رہا تھا۔

"مثلاً؟ کیا چاہتی ہیں امی؟"

"یہی کہ سارے پرانے تجربات بھلا کر شادی کر لو اور ان کو خوش کر دو۔"

"جب تک میں نوشیرواں کو سزا نہیں دلوا دیتا' تب تک نہیں کرنی مجھے شادی۔" اب کہ وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔اس دکان کے قریب ایک اسٹال پہ رکھے میگزین دیکھنے وہ اب رکا کھڑا تھا۔

"یار کیا مل جائے گا تمہیں اس بے چارے کو سزا دلوا کے؟ اس کی شکل نہیں دیکھی تم نے؟ مجھے تو لگتا ہے وہ بہت افسردہ اور نادم ہے۔"

''ندامت کافی نہیں ہوتی۔ اگر اتنا ہی نادم ہے تو اعتراف جرم کیوں نہیں کر لیتا؟''

''انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا سعدی یوسف خان۔''

''اسی لئے میں انصاف لینے گیا ہوں' انتقام نہیں۔'' وہ تلخی سے میگزین کے صفحے پلٹاتے' سر جھکائے بولا تھا۔

''خیر تمہاری والدہ جاننا چاہتی ہیں کہ اگر وہ تمہارے لئے کوئی لڑکی پسند کریں تو تم قبول کر لو گے؟ نہیں اگر قید میں کوئی ایک آدھ پسند آ گئی ہے تو بتا دو' ہم نے یہ آپشن اوپن رکھا ہوا ہے۔''

''آپ مجھے یہ بتائیں کہ اگر ساری ڈیلنگ اس آدمی سے میں نے ہی کرنی تھی تو پیسے کس چیز کے لئے تھے آپ نے؟'' وہ میگزین میں چہرہ دیے بول رہا تھا۔

''بات مت بدلو۔ خیر... اس تک لے کر تو میں ہی آیا ہوں نا۔ اچھا وہ ابھی آنے والا ہے۔ اس کا فون اسی ایریا میں پہنچ گیا ہے۔'' احمر کار میں بیٹھا ٹیبلٹ پہ جی پی ایس چیک کر رہا تھا۔ سعدی اب نگاہیں ادھر ادھر دوڑاتا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ میگزین ہاتھ میں تھا اور پی کیپ نے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔

اور یہ تبھی تھا کہ اس نے وہ آواز سنی۔ سیٹیوں کی۔ قہقہوں کی۔ اس نے چونک کے گردن پھیری۔ پلازے کے کونے والی دوکان کے عین سامنے ایک لڑکا بیساکھی کا سہارا لئے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹ تیزی سے ہل رہے تھے اور وہ نفی میں سر ہلاتا' کچھ کہہ رہا تھا' مگر اس کے گرد گھیرا تنگ کیے کھڑے تین لڑکے اس کو بولنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ وہ تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے' البتہ ایک لڑکا اب غصے میں بولنے لگا تھا۔ معذور لڑکے نے جواباً کچھ کہا تو اس نے کھینچ کے اس کے منہ پہ تھپڑ دے مارا۔

''ادھر مت دیکھو۔ اپنے کام پہ فوکس کرو۔'' کان میں احمر کی محتاط آواز آئی تو وہ سر جھٹک کے آف کورس کہتا دوسری جانب دیکھنے لگا' البتہ چہرے پہ اضطراب سا پھیل گیا تھا۔ انکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ معذور لڑکا اب پیچھے ہٹنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس کی طرف تینوں اطراف سے بڑھ رہے تھے۔ معذور لڑکے نے سامنے والے کے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اسے پرے ہٹانا چاہا مگر جواباً دوسرے نے اس کی بیساکھی کو پاؤں سے دھکیلا۔ وہ ریٹ کے گرا۔

''سعدی... وہ آنے والا ہے۔ فوکس کرو۔ یہ آدمی آج ہمارے ہاتھ سے جانا نہیں چاہیے۔''

''مجھے پتہ ہے۔''

''بار بار ان کی طرف مت دیکھو۔ وہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارا کیس اور اس کی گواہیاں زیادہ اہم ہیں۔'' احمر اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ سر ہلا کے خاموشی سے کھڑا رہا۔ کبھی کوئی کتاب اٹھا لیتا' کبھی کوئی رسالہ۔ انکھیوں سے جھلکتا منظر شدت پکڑ رہا تھا۔ لوگ نظر انداز کیے گزر رہے تھے اور وہ تینوں اب اسے زمین پہ گرا کے مار رہے تھے۔

''وہ آ گیا ہے۔ وہ دیکھو۔ براؤن شرٹ میں' عینک والا۔''

''ہوں!'' سعدی سامنے دیکھنے لگا مگر اس کا دماغ فوکس نہیں کر پا رہا تھا۔ لڑکے اسی طرح معذور لڑکے کو مار رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔ ایسے میں اسے آنکھ کے کنارے پہ نظر آیا ایک لڑکے نے اپنے بوٹ سے اس کے تیز ھے منہ پہ ٹھوکر ماری تھی۔

بس بہت ہو گیا۔ وہ تیورا کے گھوما اور جارحانہ انداز میں ان کی طرف بڑھا۔

''سعدی.... نو.... واپس مڑو.... سعدی یوسف!'' احمر اس کے کان میں گرجا تھا۔

''یو نو واٹ....'' اس نے کان میں لگا آلہ دو انگلیوں سے پکڑ کر باہر نکالا اور ہاتھ منہ کے قریب لے جا کر بولا۔ ''تم میری ماں نہیں ہو۔'' اور اسے جیب میں ڈالتا تیزی سے ان کی طرف لپکا۔ (احمر نے بے اختیار اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارا۔)

''کمزور سے کیوں لڑ رہے ہو؟ ادھر آؤ مجھ سے مقابلہ کرو۔'' پی کیپ کا رخ پیچھے کو موڑتا کہ چہرہ سامنے واضح نظر آئے اور آستین اوپر چڑھاتا وہ ان کی طرف آیا۔ وہ چونکے تھے۔ ایک نے منہ بھر کے اسے گالیاں دیں۔ دوسرا اس کی طرف بڑھا مگر اب اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اور خاور قید خانے کے کمرے میں تھے وہ کمرہ جس کی دیوار پہ ان گنت لکیریں لگی تھیں۔ اور خاور اس کو بتا رہا تھا کہ اسے کیسے کسی کو مارنا ہے۔ صرف بے ہوش کیسے کرنا ہے۔ اپاہج کیسے کرنا ہے۔ قتل کیسے کرنا ہے۔ اس کے سامنے صرف خاور تھا۔ اور وہ اپنا ہاتھ اور پاؤں گھما گھما کر اس کو مار رہا تھا۔ اردگرد خاموشی تھی۔ صرف وہ دونوں تھے اور ان کے ہاتھوں کی مہارت تھی۔ سر جھکا کے ایک طرف سے نکل جانا اور پلٹ کے دے مارنے کا انداز تھا۔ اردگرد اور کچھ نہیں تھا۔

سرخ دھند چھٹی تو سامنے وہ تینوں اب قدرے زخمی حالت میں پیچھے کو ہٹ رہے تھے۔ بس چند لمحے لگے تھے ان کو بھگانے میں۔ چند راہگیر جو تماشہ دیکھنے رکے تھے اب وہ بھی مڑ گئے تھے۔ اپاہج لڑکا زمین پہ گرا ہوا تھا اور اس کے جسم سے جا بجا خون نکل رہا تھا۔ منہ کی چوٹیں سب سے زیادہ تکلیف دہ تھیں۔ وہ جھکا اور اسے ایک ہاتھ کے سہارے سے اٹھانے لگا۔

لڑکا نیم بے ہوش مندی آنکھوں سے اسے یک ٹک دیکھتا سہارا لے کر اٹھنے لگا۔

''مجھے اس کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔'' وہ دوسرے ہاتھ سے کان میں آلہ دوبارہ لگا چکا تھا۔

''ٹیکسی کر کے جاؤ کیونکہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔'' وہ جلا بھنا سا بولا تھا۔ سعدی نے چونک کے دور رکھے میگزین اسٹینڈ کو دیکھا۔ ''وہ چلا گیا؟''

''نہیں۔ اس نے یہاں اعتکاف میں بیٹھنا تھا اس لئے دیکھو شاید ابھی تک ہو۔'' وہ سخت بیخ پا تھا۔ ''یا تو مجھے کام نہ کہا کرو اور اگر کہا کرو تو میرے طریقے سے عمل بھی کیا کرو۔''

''احمر!'' وہ لڑکے کو سہارا دے کر چلا رہا تھا۔ ''میں نے یہ جنگ یہ صرف ایک کیس جیتنے کے لئے یا ایک امیر لڑکے کو سلاخوں کے پیچھے دیکھنے کی خواہش کے لئے نہیں شروع کی تھی۔ میں نے یہ لڑائی اس لئے مول لی تھی تاکہ کوئی مغرور اور بد دماغ لڑکا کسی عام کمزور لڑکے کو یوں

نہ مار سکے۔کوئی اپنے گھمنڈ میں کسی کو bully نہ کر سکے۔اور جب بھی کوئی یہ کرے تو اس کا ہاتھ روکا جائے اور اگر رکنے سے منع کرے تو اس کا ہاتھ توڑا جائے۔تا کہ خاص لوگ عام لوگوں کو اپنے پیروں تلے نہ روند دیں۔اگر میں یہ ہونے دوں تو میں کیسا انسان ہوا؟" وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بیڑہ غرق تمہاری اخلاقیات کا۔میں بتا رہا ہوں' آج سے میں نوشیرواں کے ساتھ ہوں۔کم از کم وہ میری بات تو مان لیتا۔" وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا تھا۔کم از کم اس وقت وہ اسے اس زخمی کے ساتھ ہسپتال نہیں لے جا رہا تھا۔خود جائے اب ٹیکسی میں۔ماں نہیں ہوں میں اس کی۔ہونہہ۔

اس شام ہاشم کاردار ابھی تک اپنے آفس میں موجود تھا۔کھڑکیوں کے آگے اندھیرا پھیل چکا تھا اور آفس کی عمارت ملازموں سے تقریباً خالی ہو چکی تھی مگر وہ قطعاً تکان زدہ نہیں دکھائی دیتا تھا۔سیٹ پہ ٹیک لگائے وہ پورے یقین اور عزم سے سامنے بیٹھے رئیس سے کہہ رہا تھا۔"چھ دن ہیں ہمارے پاس۔چھ دن میں تمہیں فول پروف اور ٹھوس منصوبہ بنانا ہے۔"

"میں کر لوں گا سر...آپ بے فکر رہیں۔" وہ جو ساتھ ساتھ لیپ ٹاپ پہ کھٹ کھٹ ٹائپ بھی کیے جا رہا تھا' تسلی آمیز انداز میں بولا۔

"مجھے خاور کی کمی محسوس نہ ہونے دینا۔" ہاشم نے تنبیہہ کی تھی' اس نے صرف سر کو خم دیا۔تب ہی دروازہ افراتفری کے عالم میں کھلا اور ہڑبڑائی ہوئی سی حلیمہ اندر داخل ہوئی۔"سر...."

"تم ابھی تک یہیں ہو؟ اب چلے جانا چاہیے تمہیں۔" وہ نرمی سے بولا تھا مگر حلیمہ چہرے پہ دوڑتی ہوائیوں کے ساتھ سامنے آئی۔

"سر' یو نو...ہم سیکرٹریز ایک دوسرے سے اِن ٹچ ہوتی ہیں' اور بہت سی باتیں شیئر کرتی ہیں۔" وہ پھولے تنفس کے ساتھ بول رہی تھی۔

"آگے بولو۔" وہ تمہید سے بے زار ہوا۔

"سر...نوشیرواں صاحب کی سیکرٹری کی کال آئی ہے مجھے۔ابھی ابھی۔انہوں نے..نوشیرواں نے..ایک ہوٹل میں میڈیا کے نمائندوں کو بلایا ہے اور وہ ایک ہنگامی پریس کانفرنس کرنے جا رہے ہیں۔" ہاشم بجلی کی سی تیزی سے کھڑا ہوا۔اس کا رنگ فق ہوا تھا۔

"کیسی پریس کانفرنس؟" فون اور والٹ اٹھاتے ہوئے وہ چیخا تھا۔

"کچھ نہیں معلوم' سر' وہ بس کوئی اہم انکشاف کرنے جا رہے ہیں۔" اگلے الفاظ ہاشم نے نہیں سنے۔اسے بس یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ دوڑ رہا ہے۔رئیس اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔راہداریاں....آفس کیبن....لفٹ....وہ پسینہ پسینہ ہوتے جسم کے ساتھ عبور کرتا' بھاگتا چلا جا رہا ہے۔یوں لگ رہا تھا ساری عمارت اس کے سر پہ گرنے والی ہو....ہر شے ملیامیٹ ہو کر زمین بوس ہونے والی ہو....ساری دنیا جل کر راکھ ہونے والی تھی.....

سڑکوں پہ گاڑیاں..لوگ...درخت بھاگ رہے تھے..اور اس کی زندگی پیچھے کو دوڑ رہی تھی۔برسوں کی محنت...ساکھ..عزت...سب کچھ نوشیرواں کے اعتراف جرم سے مٹی میں ملنے والی تھی۔وہ اپنے بھائی کو کھونے جا رہا تھا۔وہ تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔رئیس اسے رفتار ہلکی کرنے کو

کہہ رہا تھا' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ اسے پسینے آرہے تھے۔

اس کا بھائی اپنی زندگی ختم کرنے جا رہا تھا.. نظروں کے سامنے اس کے بچپن کے مناظر گھوم رہے تھے.. وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بار بار لڑھک کے گر جاتا تو وہ جھک کے اسے اٹھاتا.. اسے سنبھالتا.. اس کی انگلی پکڑ کے اسے وہ شاورز پار کرواتا.. یہ انگلی کیسے چھوٹ گئی؟ کیسے فیصلہ کر لیا اس نے اس بے وقوفی کا؟ او نہیں شیرو۔ پلیز نہیں....''

ہال میں رش تھا۔ بے پناہ رش۔ اسے پوڈیم پہ ڈائس کے پیچھے شیرو کھڑا نظر آیا تھا۔ وہ تھری پیس سوٹ اور ٹائی میں تیار کھڑا تھا۔ بال بھی جیل سے جما رکھے تھے اور ایک ہاتھ ڈائس پر رکھے وہ مائیک پہ چہرہ ذرا جھکائے بول رہا تھا۔ سامنے بیٹھا مجمع دھڑا دھڑ تصاویر کھینچ رہا تھا' ویڈیوز بنا رہا تھا۔ ہاشم سفید چہرے کے ساتھ آگے بڑھنے لگا مگر رئیس نے اسے بازو سے تھام کے روکا۔

''سر! ایسے مت کریں۔ تماشا بن جائے گا پوری دنیا کے سامنے۔''

''اسے روکو۔ بند کرو یہ سب۔ بجلی کاٹو' سگنلز جام کرو' کچھ کرو۔'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ گرجا تھا۔

''سر میں کچھ کرتا ہوں' مگر آپ پرسکون رہیں۔'' رئیس اسے روک کر خود دوسری طرف بھاگا تھا۔ ہاشم گہرے گہرے سانس لیتا' بے یقینی اور خوف سے پوڈیم پہ کھڑے شیرو کو دیکھے گیا۔ وہ آج بہت اونچا دکھائی دے رہا تھا' شاید اسٹیج کی اونچائی کافی زیادہ تھی۔ اس نے زینے کیسے چڑھے' وہ کیوں نہیں لڑکھڑایا؟ وہ بس اسے دیکھے گیا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ مجھ سے پہلا سوال یہی پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا تھا یا نہیں۔ اس لئے بتاتا چلوں کہ کیس عدالت میں ہے اور اس پہ بات کرنا منع ہے' لیکن میں صرف وہی کہوں گا جو میں کہہ سکتا ہوں۔' بولتے ہوئے اس کی نظریں نیچے مجمع کے درمیان کھڑے ہاشم پہ جا ٹھہریں۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے دہکتے' گیلے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ گویا منت کی۔ (مت کرو شیرو۔ خدارا مت کرو میرے بھائی)

''اور میں آپ کو اس کیس کے بارے میں وہی کچھ کہہ سکتا ہوں جو میں نے پہلے دن عدالت میں کہا تھا۔ میں بے گناہ ہوں' اور میں نے سعدی یوسف پہ حملہ نہیں کیا تھا۔ عدالت کیا فیصلہ کرے گی' یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے یہاں آپ کو اس بات کے لئے نہیں بلایا۔''

ہاشم کا رواں رواں بالکل ٹھہر گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی اور حیرت لئے وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔ رپورٹرز دھڑا دھڑ لکھے جا رہے تھے۔ کلک کلک تصاویر اتاری جا رہی تھیں۔

''میں آج... اعلانیہ طور پہ اپنی کمپنی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ کمپنی ہم نے اچھی نیت سے شروع کی تھی اور اس کو چائنہ میں رجسٹرڈ کروایا تھا' ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم turbines بنا کر حکومت کو بیچیں تا کہ وہ ان کو تھر کول پاور پراجیکٹ میں کوئلے سے گیس بنانے کے عمل میں استعمال کر سکے۔ میری کمپنی آج اس آسامی کے لئے حکومت کی نظر میں ایک مضبوط امیدوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہم یہ ٹینڈر لے بھی جائیں' مگر.....''

ہاشم ہالکل سن سا کھڑا تھا۔ یکدم بجلی بند ہوگئی۔ ہال میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شور سا بلند ہوا۔ ہاہو کی آوازیں آئیں۔ مگر ایونٹ آرگنائزر جلدی جلدی سب کو خاموش کرانے لگا۔ کیمروں کے فلیش آن کر لئے گئے۔ اندھیرے میں پھر سے سفید روشنی ہوگئی۔ صرف مائیک کا مسئلہ تھا' مگر پوڈیم پہ کھڑے نوشیرواں کو پرواہ نہ تھی۔ وہ سر اٹھا کے بولے جا رہا تھا۔ مزید بلند آواز میں۔

''مگر میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میری کمپنی جو ٹربائن بنا رہی ہے اور جس میں میرے خاندان نے کروڑں روپیہ لگایا ہے' وہ ٹربائن ناقص ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے دیں کہ اس لوڈشیڈنگ سے لڑنے کے لئے....'' انگلی اٹھا کر اندھیر ہال کی طرف اشارہ کیا۔'' اس اندھیرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تھر کے جس کوئلے کو زمین کے اندر ہی گیس بنایا جانا تھا اس عمل کے لیے اگر کسی کمپنی کی ٹربائنز کارگر ہیں تو وہ shell ہے۔ شیل کے علاوہ اس خطے کی تمام کمپنیز کی ٹربائنز ناکارہ ہیں' اور وہ UCG یعنی زیرِ زمین کوئلے کو گیس بنانے کے عمل (یعنی کوئلے کو کھود کر نکالے بغیر اندر ہی گیس میں تبدیل کر دینے) کے لئے مکمل طور پہ ناکارہ ہیں۔ یہ پراجیکٹ اگر کسی کمپنی کو ملنا چاہیے تو وہ شیل ہے۔ شیل کے علاوہ حکومت اگر کسی اور کمپنی کو یہ کام سونپتی ہے تو وہ اپنی عوام کے ساتھ دھوکہ کرے گی' اور Tax payer's money کو غلط جگہ استعمال کرے گی۔'' پسینے پسینے کھڑا نوشیرواں موبائلز اور فلیش لائٹس کی روشنی میں سارے ہال سے یکتا اور روشن نظر آ رہا تھا۔ آگے پیچھے ہر جگہ اندھیرا تھا۔ بس اس کا چہرہ روشن تھا۔ چمکتا ہوا۔ ساری مداخلت اور بدانتظامی کے باوجود اب سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

''میں اس کمپنی کے سی ای او کی حیثیت سے آج ریزائن کر رہا ہوں۔ کیونکہ میں اتنے بڑے پراجیکٹ کا اہل نہیں ہوں۔ میرے خلاف چلنے والے ٹرائل سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ میں ابھی تک کچھ نہیں سیکھ پایا۔ اس لئے میں باعزت طور پہ اپنی کمپنی سے الگ ہو کر ایک ملٹی نیشنل میں جاب کے لئے اپلائی کر رہا ہوں۔ جیسے میرے باپ اور بھائی نے محنت کر کے اپنا راستہ بنایا اس طرح میں بھی مشکل راستہ چن رہا ہوں۔ اگر میں لوڈشیڈنگ کو ختم نہیں کر سکتا تو کم از کم میں ان طریقوں کی حمایت بھی نہیں کروں گا۔ جو اس مسئلے کو بڑھاتے ہیں' گھٹاتے نہیں۔ اس لئے نہ صرف میں اپنی کمپنی سے مستعفی ہو رہا ہوں بلکہ اپنی پیرنٹ کمپنی جو کہ ایک IPP ہے سے بھی ریزائن کر رہا ہوں۔ اور آخر میں ایک بات۔'' بلند آواز میں کہتے ہوئے اس نے کاغذات کا ایک پلندہ ان کو دکھایا۔ ''میں اس paper کو پبلش کر رہا ہوں' اور اس کی ایک کاپی آپ سب کو دس منٹ پہلے ای میل کر دی گئی ہے۔ اس میں میں نے آئی پی پی ز کے حکومت سے معاہدوں پہ روشنی ڈالی ہے' کیونکہ میں مزید اب اس نظام کا حصہ نہیں بننا چاہتا جس میں ہم آئی پی پی ز پورے پیسے لے کر آدھی بجلی بناتے رہیں۔ میں اس کو بدل نہیں سکتا' مگر اس کے خلاف آواز ضرور اٹھا سکتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ مجھے اب Whistleblower کہا جائے گا اور مجھے شاید کوئی کمپنی جاب نہ دے اور کوئی میرے ساتھ کاروبار نہ کرے' کیونکہ رات تک لوگ میری کمپنی سے پیسہ نکال کر اسے دیوالیہ کر دیں گے' لیکن میں اب مزید خاموش نہیں رہوں گا۔ میں اپنی تمام کمپنی پوزیشنز سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ شکریہ۔''

اب وہ پوڈیم سے اتر آیا تھا۔ مگر ہاشم یک ٹک پتھر کا بت بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ رپورٹرز شہد کی مکھیوں کی طرح اس پہ سوالوں کے لئے جھپٹے

تھے مگر وہ خاموشی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ زینے خود چڑھا تھا اور وہ زینے خود اتر رہا تھا۔ ہاشم کے ہاتھ برف ہو رہے تھے۔ وہ اندھیرے میں تنہا کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے سکون میسر نہیں تو کیا غم ہے

گلوں کی عمر تو کانٹوں کے درمیاں گزری۔

چھ دن بعد۔

مورچال پہ رات گہری ہو کر اتر رہی تھی۔ سب سو چکے تھے مگر حنین لاؤنج میں موجود تھی۔ آستین اوپر چڑھائے وہ اسٹول پہ کھڑی دیوار پہ stencil لگا کر اس کو پینٹ کر رہی تھی۔ (stencil پلاسٹک کا بڑا سا ٹکڑا ہوتا ہے جس میں ڈیزائن کی جگہ خالی ہوتی ہے جیسے عموماً ہاتھ پہ مہندی لگانے کے لئے ہتھیلی پہ رکھ کر اوپر مہندی لگا دی جاتی ہے اور جب پلاسٹک اٹھاؤ تو نیچے نقش و نگار بن چکے ہوتے ہیں۔) اس کے stencil پہ بڑا سا درخت کٹا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے اس پہ برش پھیر رہی تھی۔

اندر زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی کام کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر گھڑی کو بھی دیکھ لیتی۔ گیارہ بجنے کو آئے تھے اور فارس نہیں آیا تھا۔ اور اسی پل اچانک سے اس کا فون بجا۔

فارس کالنگ دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی۔ مگر جب موبائل کان سے لگایا تو لہجہ خشک بنا لیا۔

"جی کہیے۔"

"آہم۔" وہ کھنکھارا تھا۔ "کدھر ہو؟"

"گھر پہ۔ اور کہاں ہو سکتی ہوں؟"

"ایک ایڈریس ٹیکسٹ کر رہا ہوں ادھر آجاؤ۔"

"اس وقت؟ مگر کیوں؟"

"ایک اہم گواہ سے ملوانا ہے۔ زیادہ سوال مت پوچھو بس ایک گھنٹے کے اندر ادھر پہنچو اور سنو۔ صرف تم آنا۔ ساتھ میں پورے گھر کو مت لے آنا۔"

زمر نے چونک کے گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں ایک گھنٹہ تھا۔ ایک بھرپور مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

"اور اگر میں نہ آؤں تو؟" لمحے بھر کے توقف سے وہ بولا۔

"پتہ بھیج رہا ہوں۔ جلدی آؤ۔" اس کی توقع کے خلاف اس نے کوئی تپانے والا جملہ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ زمر نے مسکرا کر اسکرین کو دیکھا جہاں اس کا پیغام جگمگا رہا تھا۔ پتہ پڑھ کر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

حنین نے ابھی درخت کی پہلی شاخ مکمل پینٹ کی تھی جب کھلتے دروازے کی آواز پہ وہ چونکی۔ زمر آہستہ سے کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کر رہی تھی۔ سیاہ ڈیزائنر ویئر پہنے ہلکا میک اپ ائیر رنگز کہنی پہ پرس۔ حنین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ اس وقت کس کی شادی میں جا رہی ہیں؟''

''اپنی شادی کی اینورسری میں جا رہی ہوں۔'' زمر نے بہت سکون سے تصحیح کی۔ حنین چونکی۔

''کل بیس مئی ہے؟ ایک سال ہو گیا؟''

''کل نہیں۔ ابھی بارہ بجے سے بیس مئی ہے۔ اور فارس صاحب کو اتنے دن سے ڈنر ڈنر کرنے کے بعد بالآخر آج وقت مل ہی گیا مجھے ڈنر پہ بلانے کا۔''

حنہ کی آنکھیں چمکیں۔ ''کہاں بلایا ہے؟''

''ہم دونوں کے لئے ایک یادگار جگہ ہے وہ۔ زیادہ سوال مت پوچھو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''ویسے ان کو چاہیے تھا آپ کی مرضی کی جگہ پہ لے کر جاتے آپ کو۔ ٹیبل ریزرو کر کے بتا رہے ہیں اب۔''

''وہ تو گواہ کو ملوانے کا بہانہ کر کے بلا رہا ہے' مگر اکیلے آنے کا کہنا اور وہ بھی بیس مئی کی رات... ظاہر ہے وہ مجھے سرپرائز دینا چاہتا ہے۔ او کے اللہ حافظ'' ۔ وہ مسکرا کر اس کو الوداع کہتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ یونہی حنین کے دل نے تمنا کی کہ وہ آج پھر چابیاں بھول جائے اور واپس آئے' مگر وہ عجلت میں تھی۔ خیر حنہ سر جھٹک کر کام کرنے لگی۔

درخت کی اوپری چار شاخیں بہت محنت اور احتیاط سے وہ پینٹ کر چکی تھی جب بیرونی دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ پھر اندر آنے کی آہٹ۔ حنہ چونک کر پلٹی۔ فارس چابیاں دروازے کے قریب ٹوکری میں ڈالتا اب ادھر آ رہا تھا۔ حنین نے فوراً گھڑی کو دیکھا۔ بارہ بجنے میں دس منٹ تھے۔ اسے شدید غصہ آیا۔

''یعنی آپ نے واقعی گواہ سے ملوانا تھا۔ اور وہ اتنی خوش کہ آپ ان کو ڈنر پہ بلا رہے ہیں۔ ویسے کون سا گواہ تھا یہ؟''

اندر آتے فارس نے رک کر اسے دیکھا جو اسٹول پہ کھڑی تھی اور ہاتھ میں stencil برش اور پینٹ کی پلیٹ تھی' دوسرے ہاتھ میں ٹشو تھا۔

''وعلیکم السلام حنین۔'' وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''تاریخ بھول گئی تھی کیا؟ ڈنر پہ کیوں نہیں گئے؟''

''کیا شروع ہو گئی ہو گھر آتے ہی؟'' وہ نا سمجھی اور اکتاہٹ سے بولا۔ حنین نے ٹھہر کے پہلے اسے دیکھا۔ پھر اس کے کندھے کے پیچھے۔

''زمر آپ کے ساتھ نہیں آئیں؟'' اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''وہ میرے ساتھ تو نہیں تھی۔ میں تو ابھی آ رہا ہوں۔'' وہ حیران ہوا تھا۔ حنین کے قدموں سے زمین سرکنے لگی۔

''آپ نے ابھی ابھی ان کو کال کی تھی اور کہا تھا کہ آپ ان کو کسی گواہ سے ملوانا ہے... ہے نا...'' وہ ہکلائی۔ چند لمحے لگے فارس کو اس کی

بات سمجھنے میں اور ایک دم اس کا پورا دماغ سنا اٹھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''حنہ میں نے اسے کوئی کال نہیں کی۔ کہاں ہے وہ؟''

حنین کے ہاتھ سے پینٹ برش سب پھسل گیا۔

''آپ نے ان کو کہا کہ اکیلے آنا۔ وہ اکیلی چلی گئی۔ وہ خوش تھیں۔ بہت زیادہ۔'' اس کا گلا رندھا۔ وہ دم بخود کھڑی تھی۔

''کدھر....کدھر گئی ہے وہ؟'' وہ حواس باختہ سا پوچھ رہا تھا۔ شل سی حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ نہیں بتایا۔'' فارس بے اختیار پیچھے کو بھاگا۔ ٹوکری سے چابی اٹھائی اور موبائل پہ نمبر ڈائل کرتے اس نے دروازہ کھولا۔

زمر کا فون آف جا رہا تھا.....

اس کی سماعتوں میں ایک فقرہ گونج رہا تھا

He cannot protect his women!

او خدایا.... وہ اتنے دنوں سے غلط عورت کی حفاظت کر رہا تھا؟ او خدایا....

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(آخری مراحل میں....)